نقیبِ ختمِ نبوت ملتان

صفر ۱۴۰۹ھ — ستمبر ۱۹۸۸ء

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ
بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ○

اور اللہ کی راہ میں قتل (ہوکر شہید) ہونیوالوں کو مُردہ
نہ کہو، بلکہ وہ زندہ ہیں اور تمہیں شعور نہیں۔ (القرآن)

عالمی مجلس احرارِ اسلام کی
مرکزی مجلسِ شوریٰ کا اجلاس
تجاویز ◎ فیصلے ◎ قراردادیں

حکمرانؒ - سیاستدان اور اسلام

شہاب نامہ اور قادیانیت

خصوصی مضامین بیاد
امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ

ٹوٹا ہے آج خاکِ وطن پہ وہ کوہِ غم
مشرق کا دل اُداس ہے مغرب کی آنکھ نم

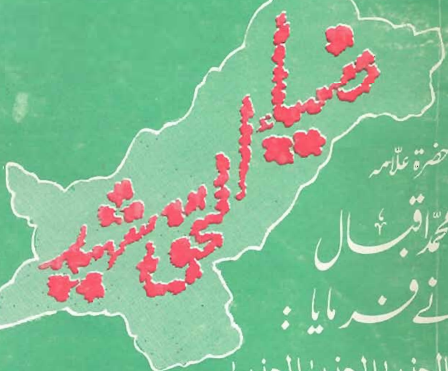

حضرۃ علامہ
محمد اقبالؒ
نے فرمایا:

الحذر! الحذر! الحذر!

جعفر از بنگال و صادق از دکن
ننگِ ملت ننگِ دیں ننگِ وطن

یکے از مطبوعات:

تحریک تحفظ ختم نبوۃ — شعبۂ تبلیغ — عالمی مجلس احرارِ اسلام پاکستان

تاریخ کیا ہے؟

تاریخ دراصل چند واقعات کی صحیح تعبیر و بیان کا نام ہے، جو مشاہدہ یا دیگر محسوسات کی کسی صورت میں وقوع پذیر ہو چکے ہوں۔ مثلاً ہم یہ سمجھنا چاہیں کہ آئرلینڈ میں انگریزوں کے مظالم واقعی ہیں یا محض مبالغہ آمیزی سے کام لیا گیا ہے تو اس کے لئے واقعات کا مشاہدہ یا مستند و عینی شہادتوں کا حاصل کرنا ضروری ہوگا۔ صرف قیاس سے کوئی رائے قائم کر لینا صحیح نہ ہوگا۔

ہاں اس کے فرائض کی انجام دہی کے لئے ضروری ہے کہ مؤرخ دیانت، عمل، تصحیح روایت، وسعتِ نظر، سلامتیٔ طبع اور اصابتِ رائے سے بے بہرہ نہ ہو۔ واقعات میں قیاس در آئے کو دخل نہ دے، اور جب کسی واقعہ کے متعلق روایات حاصل کرے تو ان میں اصل واقعہ اور رائے کی آمیزش کو الگ الگ رکھ کر غور کرے۔ کسی واقعہ کو توڑ مروڑ کر مسخ شدہ تشکل میں پیش کرنا اس کی اصلی وضع و ترتیب کو الٹ پلٹ کر دینا، صحیح و ضعیف ہر قسم کی روایت پر اعتبار کر لینا، واقعات کے تمام پہلوؤں پہ غور نہ کرنا، مبالغہ آمیزی سے کام لے کر کسی ناپسندیدہ امر کو پست اور پسندیدہ کو بلند کر دکھانا ایک مورخ نما عیار کی مخفی خواہشات کی صحیح ترجمانی تو کر سکتا ہے لیکن تاریخی ذمہ داریوں سے اسی قدر دُور ہے جس قدر کہ تاریکی روشنی سے اور باطل حق سے۔

تاریخ خواہ وہ یورپ میں لکھی گئی ہو یا ایشیاء میں، انگلستان کے ٹکسال سے نکلی ہو یا ہندوستان کے مطابع سے، اس وقت تک اعتماد و وثوق کا درجہ حاصل نہیں کر سکتی، جب تک کہ وہ مذکورہ بالا خصوصیات پر مشتمل نہ ہو۔ واقعات کی فرضی و بناوٹی تصویریں جن کا کوئی رُخ بھی مصور کی خود غرض دست درازیوں سے بچ نہ سکا ہو، علم التاریخ کے دامن پر ایک سیاہ داغ سے کم حیثیت نہیں رکھتیں۔ یورپ کا موجودہ فن تاریخ اگرچہ کسی معقول اصول کا رہینِ منت نہیں اور نہ ہی اس میں اصابتِ رائے کی پابندی لازمی سمجھی گئی ہے۔ وہ قاعدہ و ضابطہ کی قیود سے اُسی قدر آزاد ہے جس قدر کہ خود کوئی قاعدہ اور ضابطہ ہو سکتا ہے۔ تحقیق و تنقید کا اسی حد تک دلدادہ ہے جس حد تک کہ آگ پانی کی تاریکی روشنی کی۔ لیکن اس کی مشینری ایسے پُرزوں سے بنی ہے کہ جن کی چال ڈھال، وضع و ہیئت اگرچہ بہت سی نگاہوں کو اپنی طرف متوجہ کر سکتی ہے۔ مگر یہ دلکش منظر کچھ عرصہ کے بعد ایک سراب سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا۔

مولانا عبدالرحیم پوپلزئی رحمۃ اللہ علیہ

پشاور: فروری ۱۹۴۷ء

نقیبِ ختمِ نبوت ملتان

صفر ۱۴۰۹ھ، ستمبر ۱۹۸۸ء

سلسلۂ اشاعت (۸)

دل کی بات

۱۷ اگست کی سہ پہر اپنے دامن میں سازش، فتنہ و فساد اور انتقام کی آگ جلائے ڈھلنے لگی اور اس نے بہاول پور کے قریب ستلج کے کنارے کپاس کے کھیتوں میں صدر جنرل محمد ضیاء الحق اور ان کے ستائیس وفادار ساتھیوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ جہاز پرزے پرزے ہوگیا اور پاکستان کے چالیس سال پر محیط منفرد فکر و فلسفہ کا جلتا ہوا چراغ بجھ گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

صدر جنرل محمد ضیاء الحق اور ان کے ساتھی پاکستانی فوج کی کریم تھے اس لحاظ سے فوج اور دینی حلقوں کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا ہے اللہ تعالیٰ تو اس نقصان کو پورا کرنے پر یقیناً قادر ہیں بلکہ وہ اس سے بھی بہتر شخصیت عطا کرنے پر قدرت رکھتے ہیں لیکن موجودہ دَور کے جتنے بھی بظاہر قد آور افراد اخبارات کے صفحوں پر قبضہ جمائے بیٹھے ہیں سب کے سب پست قد رکھتے ہیں۔ بونے اور ٹھگنے ہیں ان کے پاس قومی انقلاب اور ملکی ترقی کا کوئی مثبت پروگرام نہیں جب کہ اسلام ان کے پروگرام میں سرے سے شامل رہا ہی نہیں، مرحوم صدر اور ان کے چند بچھڑے ہوئے ساتھیوں نے قوم کی سمت متعین کرنے میں منفرد کردار ادا کیا ہے اور ان کے پاس تدریجی ارتقاء کا عدل و احسان پر مبنی مثبت پروگرام تھا۔ وہ گیارہ سال کے عرصہ میں کیوں کامیاب نہ ہو سکے؟ اس کی واضح وجہ یہ ہے کہ شجرِ اقتدار کے ساتھ چمٹے ہوئے ایسے لوگوں کی غالب اکثریت ہے جو مغربی نظامِ زندگی مکمل طور پر اپنا چکے ہیں وہ اسلام کا نام سنتے ہی جھرجھری لینے اور اسلام کے بارے میں جھاگ اگلنی شروع کر دیتے ہیں

رفقاءِ فکر

سید عطاء المحسن بخاری
سید عطاء المؤمن بخاری
سید عطاء المہیمن بخاری
سید محمد کفیل بخاری
سید عبد الکبیر بخاری

سید محمد ذوالکفل بخاری
سید محمد ارشد بخاری
سید خالد مسعود گیلانی

عبد اللطیف خالد ○ اختر جنجوا
عمر فاروق عمر ○ محمود شاہد
قمر الحسنین ○ بدر منیر احرار

رابطہ: مدرسہ معمورہ
دارِ بنی ہاشم، مہربان کالونی ملتان

قیمت: -/۳ روپے ○ سالانہ -/۴۰ روپے

اس ماحول کو راستی سکھانے اور راہِ راست دکھانے پر ہی گیارہ برس لگ گئے ـــــ پھر ایک حادثہ یہ ہوا کہ تین سال کی جونیجو حکومت نے اندرونِ خانہ لادین عناصر کی بھرپور حوصلہ افزائی شروع کر دی اور دین کے دشمنوں کو سیاسی آزادی و جمہوریت کے نام پر کھلی جارحیت کی چھٹی دے دی۔

صدر ضیاء الحق مرحوم نے ان لادین عناصر اور دین دشمن قوتوں کو پھر سے شکنجے میں جکڑنے اور حدود و قیود میں پابند کرنے کی کوشش کی تو پاکستان میں رہتے ہوئے دین، ملت اور ملک دشمن عناصر نے ملک میں ادھم مچا دیا جو بالآخر ضیاء الحق اور ان کے ساتھیوں کو موت کے منہ میں دھکیل کر خوش ہوا اور انہوں نے اس "خوشی" میں دیگیں پکائیں، بانٹیں اور خوشی کے گیت گائے، گھی کے چراغ جلائے اور دھمال ڈالے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ط

ضیاء الحق کو نہیں مارا گیا بلکہ دین دشمن قوتوں کے راستے میں جو دیوار حائل تھی وہ ہٹائی گئی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ علماء، مشائخ، صحافی، ادباء، شعراء، بیوروکریٹس، موجودہ حکمران اور سیاست دان ان میں سے کون آگے بڑھ کے "نفاذِ اسلام" کا علَم اپنے ہاتھ میں لیتا ہے اور پاکستان کی حقیقی تعمیر کا کام مکمل کرتا ہے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد الحق کی رحلت

گزشتہ دنوں پاکستان کے جید عالمِ دین استاذ العلماء والمجاہدین حضرت مولانا عبد الحق رحلت فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا عبد الحق دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے مہتمم و شیخ الحدیث تھے۔ آپ نے تمام عمر دین کی خدمت کی۔ آپ کے شاگرد پاکستان اور دیگر اسلامی ممالک میں ہزاروں کی تعداد میں پھیلے ہوئے ہیں۔ جہادِ افغانستان میں آپ کے تلامذہ نے ہراول دستہ کا کردار ادا کرتے ہوئے بے مثال قربانیاں دیں۔

حضرت مولانا عبد الحق رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں اور آپ کی رحلت ناقابلِ تلافی نقصان ہے۔

جمعیۃ علماء اسلام درخواستی گروپ کے رہنما مولانا سمیع الحق (سینیٹر) آپ کے فرزند ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائیں۔ مولانا سمیع الحق اور تمام غم زدہ اعزہ و اقربا کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ آمین! ادارہ نقیبِ ختمِ نبوۃ اس غم میں برابر کا شریک ہے

نقطۂ نظر، سرسری جائزہ، تجزیہ، رائے

قمرالحسنین

حکمران، سیاستدان اور اسلام

"ماڈرن سائنٹیفک پالیٹیکس" نے جہاں عوام میں بے لگام آزادی کا صور پھونکا وہاں رذائل کا ایک طومار بھی عوام کی فطرتِ ثانیہ بنا دیا گیا ہے مثلاً (اپوزیشن ہو یا حکومت)

۱۔ الیکشن سر پہ ہو تو فریقِ مخالف کے اُمیدوار کی اتنی بُرائیاں بیان کی جائیں کہ وہ ابلیس کا جانشین محسوس ہونے لگے۔

۲۔ اس قدر جھوٹ بولا جائے کہ سچائی دُم سا دھے دبک جائے اور منہ چھپاتی پھرے۔

۳۔ عوام سے ان کے ذاتی و علاقائی مسائل کے بارے میں ایسے خوش آئند وعدے کئے جائیں کہ خوشی سے ان کی رال ٹپک پڑے اور وہ اس "عوامی لیڈر" کے دل و جان سے گرویدہ ہو جائیں۔

۴۔ الیکشن ایک منفعت بخش کاروبار سمجھ کر لڑا جائے اور اس میں دھن، دھونس، دھاندلی اور بلیک میلنگ کو وسیلۂ کامیابی یقین کیا جائے۔

۵۔ الیکشن ختم ہو تو الیکشن پر اُٹھنے والا خرچہ، سرکاری خزانہ اور عوام کی جیبوں سے مع سود پورا کیا جائے۔

۶۔ جن لوگوں نے کامیاب اُمیدوار کو ووٹ نہیں دیئے انہیں مختلف اخلاقی مقدمات میں ملوث کر کے برس ہا برس تک ذلیل و رُسوا کیا جائے۔

۷۔ جو لوگ کچھ طاقت ور اور مقابلے کی چوٹ ہوں ان کے حامیوں کی چوریاں کرائی جائیں، ان کی بے عزتی کی جائے، ان کے ناموس پہ کفار و مشرکین کی طرح حملے کئے جائیں۔

۸۔ اپنے پالتو کتوں، چوروں، ڈاکوؤں، قاتلوں اور دلالوں کو مکمل تحفظ دے کر قانون کی گرفت سے بچایا جائے بلکہ قانون پر انہیں بالادستی دلائی جائے۔

۹۔ علاقے کا تھانیدار، پٹواری، اسکول کا ہیڈ ماسٹر اپنی مرضی و منشاء کے آدمی تعینات کرائے جائیں جو ایم۔پی۔اے، اور ایم۔این۔اے کی مرضی کے خلاف نہ چل سکیں۔

۱۰۔ بجلی، سوئی گیس، پانی، ٹیلیفون کا بل نہ دیا جائے اور دندنا کے یہ اعلان کیا جائے کہ "اپنا تے کھلا امی کھاتہ اے"۔

۱۱۔ پولیس اور محکمہ مال کی "شیر بنیاں" اور "حق الخدمت" عوام سے بٹورے گئے سرمائے کی نصف نصف تقسیم سے ادا کیا جائے۔

۱۲۔ علاقے کی ایک لاکھ کی آبادی میں سے ۲۷ ہزار دوٹ لیکر کامیاب ایم پی اے یا ایم این اے ۷۳ ہزار مخالف عوام کے باوجود خود کو "عوامی نمائندہ" کہے جو نہ مانے اسے ذلیل کیا جائے۔

۱۳۔ سیاسی قوت اور دولت کے ذریعہ علاقے کی مذہبی شخصیات کو خریدا جائے اور مذہب کو انفرادی ذاتی اور اضافی حیثیت سے جیب کی گھڑی اور ہاتھ کی چھڑی ثابت کیا جائے۔ اور اپنے عمل بد کے ذریعہ دین کو چند سماجی رسموں سے آگے نہ بڑھنے دیا جائے مثلاً

۱۔ بچے کی پیدائش پر کان میں اذان مولوی دے

۲۔ بچے کے ختنوں پر مولوی آکر دعا کرا دے

۳۔ بچے کی شادی پر مولوی نکاح پڑھا دے

۴۔ وہ مرجائے تو مولوی نہلائے، کفنائے، اٹھائے، قبر میں اتارے پھر "دہاڑی" لے کر اسے بخشوائے۔

۵۔ پھر ۹ جمعرات تک اس کی گھوم پھر کر آنے والی آوارہ روح کی تسکین کے لئے مردے والوں کے گھر سے کھانا لے جائے۔

۶۔ "ساتا" کرے، دسواں اور چالیسواں کرے "اللہ اللہ بس باقی ہوس"

سیاست دان اور حکمران کو یہ مولوی قبول ہے جو اس کی اجتماعی وذاتی زندگی میں "مداخلت" نہیں کرتا اور جو مولوی نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، عشر کی ادائیگی میں مضبوط لیٹ لہجہ میں گفتگو کرتا ہے۔ اور جو مولوی زنا، شراب، جوا، رقص وسرود، عیاشی وبدمعاشی اور فحاشی کے خلاف احتسابی گفت وگو کرتا ہے نہ حکمران کو قبول ہے نہ سیاست دان کو اور ان دونوں کو خبردار ہوشیار کی آواز لگا کر جاگتے رہنا کے عمل سے آشنا کرنے والا پاکستان کا خونخوار سول اور ملٹری کا بیوروکریٹ ہے جس کے نزدیک کلمہ حق کہنے والے مولوی کا وجود ہی بہت بڑا گناہ ہے جو اپنی نجی مجالس میں گفت وگو کرتے ہوئے بڑے غرور وتکبر کے لب ولہجہ

یہی کہتا ہے کہ مولوی "وِل بی نو مور" "WILL BE NO MORE" حالانکہ پاکستان کی اساس ہی **امر بالمعروف** اور **نہی عن المنکر** پر ہے اور یہ دونوں کام حکمرانوں مالی و سیاسی قوت والوں کے ہیں اور دونوں اس سے کورے ہیں۔ اوّل تو اس کام کے مولوی بھی اب جنسِ نایاب ہیں اور اگر کہیں کہیں یہ جنسِ نایاب مل بھی جاتی ہے تو وہ بے چارہ بے دست و پا صرف **دعوت الی اللہ** کا کمزور کام کر سکتا ہے۔ یہ کمزور کام بھی حکمرانوں اور جاگیردار و سرمایہ دار سیاستدانوں کو قبول نہیں اس کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ وہ عوام کالانعام ہیں جو ان مجرم وڈیروں کی مفاد بخش چکی کے پاٹوں میں پس رہے ہیں لیکن خوش ہیں ؏

گوشت خاک ہیں مگر آندھی کے ساتھ ہیں

ان معروضی حالات میں ڈیموکریسی کے ڈیماگاگس مسرور و شاداں ہیں ان کی محنت بارآور ہوئی اور عوام دینی مزاج سے محروم ہو گئے ہیں، دینی اقدار پامال کر چکے ہیں۔ ان کا علمی و مادی ذاتی، گروہی اور جماعتی مفادات ہیں اور بس۔ ان وڈیروں کی دیکھا دیکھی عوام نے دین کو بے جا پابندیوں کا گورکھ دھندا سمجھ کر طاقِ نسیاں میں رکھا اور اپنے قومی، سیاسی اور حکومتی وڈیروں کی پیروی میں چند مذہبی، علاقائی ہندوانہ سماجی رسموں پر اکتفا کیا اور اسی کو مرکزِ نجات سمجھ لیا۔

پھر ان ترمیم پسند مذہبی و سیاسی گمراہ ٹولوں نے نام نہاد قومی مفادات اور جمہوری عمل کا قبلہ درست کرنے کے لئے مختلف "محاذ" بنائے۔ سنہ ۱۹۷۸ء میں ان کا ڈھاکہ اجلاس ہوا جس میں جمعیت العلماء کا ترمیم پسند مذہبی ٹولہ بھی تھا اس کے باوجود آٹھ جماعتی گمراہ ٹولے کی اکثریت نے آٹھ نکات پر اتفاقِ رائے کیا مگر اسلام کو مطالبات میں شامل کرنے سے کھلے بندوں انکار کر دیا۔ لطف یہ کہ جے یو آئی کا ترمیم پسند مذہبی ٹولہ جماعتی و شخصی مفادات پر دین کو سیاست کی بھینٹ چڑھا کر نہایت خیرہ چشمی سے تماشا کرتا رہا۔

پھر سنہ کے الیکشن کی کتا نتوں میں جماعتِ اسلامی، جے یو آئی اور جے یو پی جیسی مذہبی و سیاسی ترمیم پسند ٹولوں نے الگ الگ ڈفلی بجائی اور چاروں شانے چت ہوئے۔ پی پی پی کے دراز قامت ماڈرن بیکس کے ماہر بھٹو نے پاکستان کے تمام مشکل کشاؤں کو مشکلوں کی دلدل میں دھکیل دیا۔ جے یو آئی نے پنجاب میں پی پی پی کی اندھی حمایت کی اور سرحد میں این اے پی سے رشتہ گانٹھ لیا اگرچہ ولی خاں نے ان کے منہ پر زناٹے دار تھپڑ مارا

کہ ہم سے ٹکڑے مانگ کر کھانے والا مولوی

آج ہمارے ہی مقابلے میں آگیا ہے

پھر ۱۹۷۳ء میں اینٹی بھٹو سیاسی اور مذہبی اکٹھے ہوئے تب مجلس احرار کو بھی شرکت کی دعوت دی گئی تب مجلس احرار اسلام نے اپنی شرکت مرزائیت کے اقلیت کے مطالبہ سے مشروط کی تو این اے پی کے جسمانی طور پر دراز قامت مگر دینی قد کاٹھ کے اعتبار سے بونے شخص خان ولی خان نے کہا کہ ہم کسی کمیونل پروگرام کے لئے اکٹھے نہیں ہوئے آپ اپنا پروگرام الگ لے کر چلیں ہم نے تو بھٹو کو مارنا ہے اس میں تم ہمارے ساتھ چلو۔ نواب زادہ نصر اللہ خاں نے کہا کہ آپ ہمارے لئے اسٹیج لگائیں ہم آپ کے سٹیج پر آپ کے کاز کی حمایت کریں گے۔ متحدہ محاذ کے پلیٹ فارم پر یہ چھوٹے چھوٹے مطالبات نہیں پیش کئے جا سکتے یہ سب کچھ ہوا مگر یہ تینوں (جماعت اسلامی، جے یو آئی، جے یو پی) ترمیم پسند مذہبی ٹولے خاموش رہے۔ پھر یہ سیٹوں کے چکر پر یوں لٹے کہ قصاب کی دکان کے سامنے بیٹھنے والا جانور بھی شرم سے ڈوب ڈوب گیا۔ پھر ۱۹۷۷ء میں قومی اتحاد بنا جس کو امپورٹڈ سلوگن "نظامِ مصطفیٰ" دیا گیا۔

یہ ویسا ہی جھوٹ تھا جیسا ۱۹۴۷ء ۱۹۴۶ء میں مسلم لیگ نے جھوٹ بولا تھا۔ پاکستان کا مطلب کیا لا الٰہ الا اللہ

جے یو آئی اور جے یو پی کے ٹولے اس میں جنرل سیکرٹری کے عہدے کی خاطر الجھ پڑے۔ مفتی محمود نے کہا کہ میں یہ عہدہ ولی خاں کو تو دے سکتا ہوں نورانی میاں کو نہیں۔ یہ نظامِ مصطفیٰ کے داعی عہدوں ٹکٹوں سیٹوں اور مستقبل کی بندر بانٹ میں گم ہو گئے اور ضیاء الحق تشریف لائے۔ مذہبی و سیاسی بھکاریوں پر مشتمل ترمیم پسند یہ ٹولہ ضیاء الحق کے چرنوں میں گر گیا اور نو ماہ کی فطری مدت وزارتوں سفارتوں غیر ملکی دوروں اور سرکاری گزارہ الاؤنس کے جھولوں میں پوری کر کے لوٹ کے بدھو گھر کو آئے۔ صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے اسلام کا نام اس تسلسل سے لیا کہ پوری قوم کو اسلامیا لیا کبھی وہ یوں گویا ہوتے کہ پاکستان کا مقدر اسلام ہے۔ اسلام اور پاکستان لازم و ملزوم ہیں۔ میں تہیہ کر چکا ہوں کہ پاکستان کو اسلام کا قلعہ بنا دوں گا۔ صلوٰۃ کمیٹیاں، زکوٰۃ کمیٹیاں، عشر کمیٹیاں، علماء کانفرنس، صوفیاء کانفرنس، مشائخ کانفرنس، خطباء کانفرنس، اجتماعِ صحافیانِ قلم کانفرنس، بنکوں میں دکھاتے باسود، بلا سود۔ مذاکرات، سیمینار الغرض "گفتند" کے زوردار معرکے نتائجِ اسلام کا مثبت و منفی پراپیگنڈہ اور آخر میں

"میں اعتراف کرتا ہوں کہ میں اسلام نافذ
کرنے میں ناکام ہوا ہوں"

پھر جونیجو حکومت اس کے اعیان دایوان کو کھلی چھٹی باآلاخر اس کی سبکی وخواری اور ساتھ ہی شریعت آرڈی ننس۔

خان لیاقت علی خاں مرحوم کے عہد کی کمزور ترین دینی مساعی کا نتیجہ، قرار داد مقاصد اور ۳۴ سال بعد جنرل محمد ضیاء الحق کے عہد کا شریعت آرڈی ننس اس سے بھی کمزور وناقص عمل جو نفاذ اسلام کی طرف پہلا قدم ہے ـــ اگر لیاقت علی خاں کے عہد کی قرار داد مقاصد کو پاکستان کے مذہبی سیاسی لوگ اپنی مساعی جمیلہ کا خوب صورت ثمر کہتے نہیں تھکتے تو جنرل صاحب کے دور کے شریعت آرڈی ننس کو اپنی مساعی "حسنہ" اور "نیک خواہشوں" کا ثمر خیر کیوں نہیں کہتے۔ جتنا اسلام قرار داد مقاصد سے آگیا تھا شریعت آرڈی ننس اس سے زیادہ اسلام دیتا ہے وہ قبول اور یہ نا قبول؟

حالانکہ قرار داد مقاصد نے صرف سمت درست کی تھی جس کا آج تک غلغلہ ہے کہ ہم نے قرار داد مقاصد پاس کرائی جو ہمارا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ شریعت آرڈی ننس سے تو عملی زندگی میں داخل ہونے کا راستہ کھل گیا ہے۔ اگر اس راہ عمل میں علماء حق ہوں یا علماء سوء دونوں کو بیوروکریٹس کا سٹیڈی نیڈ بنایا گیا ہے جو ان کی تمنا وجد وجہد کے عین مطابق ہے۔ ۱۹۴۸ء میں بھی حکمرانوں کی یہی خواہش تھی مگر وہ اپنی وضع داری کی وجہ سے اس وقت کے علماء کو عملاً تو اس سطح پر نہ لاسکے مگر حکومتی عمل یہی رہا۔ ۱۹۸۸ء کے حکمرانوں نے جرأت رندانہ سے بھی کام لیا اور وضع داری بھی نبھائی۔

کہ باغباں بھی خوش رہے راضی رہے صیاد بھی

اب تو پاکستان کے تمام دینی طبقات کی کڑی آزمائش ہے کہ وہ نفاذ اسلام کے مرحلہ کو قریب لانا چاہتے ہیں یا سیکولر سیاستدانوں اور جنرل صاحب کے سایہ میں چھپے بیٹھے بیوروکریٹس کی سیکولر سیاسی کش مکش میں حصہ ڈال کر اس کو بہت دور دھکیلنا چاہتے ہیں۔

حالات کا تقاضا تو یہ ہے کہ دینی طبقات ان ترمیم پسند مذہبی وسیاسی ٹولوں سے الگ ہو کر متحد ہوں اور جنرل صاحب کے گرد گھیرا تنگ کریں تاکہ جنرل صاحب نے جس قوت کے ذریعہ بھٹو کو پھانسی دی الیکشن ریفرنڈم کرائے، جونیجو حکومت کو معزول دیا مال کیا اسی قوت سے اسلام بھی نافذ کریں۔ پاکستان کو اسلامی

ریاست بنانے کا شاید یہ آخری چانس ہو اور اگر دینی قوتیں ایم آر ڈی نما اے پی سی کی سیکولر سیاسی شاطرانہ چالوں کا صید زبوں بن گئیں تو ہو سکتا ہے بلینس آف پاور سیکولرز اور لبرلز کے حق میں چلا جائے تو مستقبل میں پاکستان سیکولر ریاست ڈکلئیر ہو جائے کیونکہ

سیاستدان اور بیوروکریٹس اندرونی طور پر اس فارمولے پر متفق ہیں ۔

یہاں تک لکھ چکا تھا کہ جنرل محمد ضیاء الحق آخرت کے سفر پر روانہ ہو چکے تھے اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور ان سے بہترین معاملہ فرمائے اور حادثہ میں جس قدر اذیت انہوں نے پائی وہ ان کے ذنوب و سیئات کا کفارہ بنا لے آمین ! اب یہ سارا بوجھ غلام اسحٰق خان اور ان کے اعوان و انصار پر ہے اور ان کی ذمہ داریاں دوگونہ ہیں ۔ ان کے ذمہ ضیاء الحق کے عمل کو تسلسل دینا بھی ہے اور اپنی انفرادی و اجتماعی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونا بھی ہے ۔ غلام اسحٰق صاحب کو یہ کبھی نہیں بھولنا چاہیئے کہ

پاکستان اور اسلام لازم و ملزوم ہیں !

اور یہی پاکستانی عوام کی شہ رگ ہے ” ضیاء الحق کی شہادت سے یہ شہ رگ نہیں کٹنی چاہیئے اگر خدانخواستہ موجودہ رجیم کے عہد میں تساہل یا عمد کے سبب نفاذ شریعت کا عمل کٹ گیا تو پھر حکمران یقین کریں کہ پاکستان کی شہ رگ کٹ گئی اور وہ منحوس گھڑی اُمت اور وطن کی ویرانی کیلئے آخری گھڑی ہوگی ۔ پھر پاکستان اور دین دشمن قوتیں وہ ننگا ناچ نا چیں گی جس کے تصور سے ہی روح فنا ہوئی جاتی ہے

نئی مطبوعات

مرزائیت کے قلعہ کو مسمار کرنے کیلئے عظیم ہتھیار

- عقیدۂ ختم نبوت علم و عقل کی روشنی میں ۔ ۱۸/ روپے
  مولانا محمد اسحٰق صدیقی
- اسلام اور مرزائیت مولانا محمد عبداللہ ۔ ۱۲/ روپے
- قادیانیوں کے دجل و فریب کے شکار مسلمانوں کو دعوت حق ۔ ۱۵/ روپے
  مولانا محمد عبداللہ

ان کا مطالعہ تحریک ختم نبوت کے ہر کارکن کے لئے انتہائی ضروری ہے ۔

محمود الحسن قریشی ایم اے

"شہاب نامہ" اور قادیانیت

قدرت اللہ شہاب کی سوانح عمری شہاب نامہ کو ۱۹۸۷ء کی بہترین کتاب قرار دیا گیا ہے۔ شہاب برصغیر کے ان چند نوجوان طالب علموں میں سے تھے جنہوں نے آئی۔ سی، ایس کے امتحان میں نمایاں پوزیشن حاصل کی۔ اس سال یہ واحد کشمیری تھے جنہوں نے یہ امتحان پاس کیا۔ تقسیم سے پہلے بھی یہ مختلف اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے اور تقسیم کے بعد انہیں کئی حکمرانوں کے ساتھ کام کرنے کا موقع میسر آیا۔ انہوں نے حکمرانوں کے نشیب و فراز کو تفصیل سے شہاب نامہ میں پیش کیا ہے۔ شہاب نے یونیسکو کے ممبر کی حیثیت سے بھی بین الاقوامی سطح پر مسلمانوں کے لئے بیش بہا خدمات سرانجام دیں۔ جن میں ان کا نمایاں کام اسرائیل میں جاکر جاسوسی کرنا اور عالمی سطح پر یہودیوں کے مظالم کو بے نقاب کرنا ہے۔ شہاب نہ صرف درد مند دل رکھنے والے مسلمان تھے بلکہ مذہب سے اس قدر لگاؤ تھا کہ آخری عمر میں وہ ایک باعمل صوفی کے طور پر سامنے آتے ہیں۔ بلکہ ممتاز مفتی نے تو اپنے مضمون میں شہاب کو ولی اللہ کے طور پر پیش کیا ہے

شہاب نامہ ہمارے عہد کی ایک اہم دستاویز ہے جس میں نہ صرف ہمارے دور کے ادبی، مذہبی، سیاسی، سماجی رویوں کو پیش کیا گیا ہے۔ بلکہ تاریخی اعتبار سے بھی ایسے واقعات تحریر کیئے ہیں۔ جس سے نہ صرف حکمرانوں کے بلکہ بعض مذہبی گروہوں کے ڈھول کے پول بھی کھل جاتے ہیں۔ "شہاب نامہ" میں قادیانیوں کے خود ساختہ مذہب، منافقانہ سیاست اور چاپلوس سیاسی شخصیتوں کے کافرانہ رویوں کو جابجا پیش کیا گیا ہے۔ برصغیر کا ایک اہم دور وہ بھی ہے۔ جب مسلمان کشمیر میں تحریک چلا رہے تھے۔ مرزائیوں نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے منافقانہ سیاسی کردار کا بھرپور مظاہرہ کیا۔ اور کشمیر کو مرزائی ریاست بنانے کا زبردست منصوبہ تیار کیا۔ جو کہ مجلس احرار اسلام کے اکابر کی بروقت مداخلت سے پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکا۔ احرار کے شعلہ بیان مقررین نے جہاں انگریز سامراج کے اقتدار کی چولیں ہلادیں وہاں ہندوؤں اور مرزائیوں کے منصوبے خاک میں ملا دیئے۔ قدرت اللہ شہاب مرزائیوں کے

مذموم ارادوں کو پیش کرتے ہوئے کچھ اس طرح رقمطراز ہوتے ہیں۔

سری نگر میں ۱۳ جولائی کی وحشیانہ فائرنگ سے سارے برصغیر کے مسلمانوں میں بھی رنج و اضطراب کی لہر دوڑ گئی ۔

سب سے پہلے لاہور میں خان بہادر رحیم بخش سیشن جج کی ملتان روڈ والی کوٹھی پر مشورہ کرنے کے لئے چند مسلمانوں کا ایک اجتماع ہوا۔ جموں کی (Young Muslim Association) کی نمائندگی کرنے کے لئے اے آر ساغر بھی اس میں شامل تھے۔ اس میں طے پایا کہ ہندوستان بھر کے سربرآوردہ مسلمان اکابر کو اکٹھا کر کے اس بارے میں کوئی متفقہ فیصلہ کیا جائے۔ چنانچہ ۲۵ جولائی ۱۹۳۱ء کو شملہ میں فیئر ویو نام کی ایک دو منزلہ کوٹھی میں ایک میٹنگ کے نتیجہ میں آل انڈیا کشمیر کمیٹی قائم کی گئی۔ اس کمیٹی میں جو حضرات شامل ہوئے ان میں علامہ اقبال، نواب سر ذوالفقار علی، خواجہ حسن نظامی نواب کنج پورہ، نواب باغپت، سید محسن شاہ، خان بہادر شیخ رحیم بخش، عبدالرحیم درد اور اے آر ساغر کے نام سرفہرست تھے۔ چند دوسرے حضرات کے علاوہ وادی کشمیر کے ایک نمائندے غالباً میرک شاہ بھی اس میٹنگ میں شریک ہوئے۔،

بدقسمتی سے صدارت مرزا بشیر الدین محمود نے کر ڈالی اور آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے صدر بھی وہی بن بیٹھے۔ یہ قادیانیوں کی سوچی سمجھی چال ثابت ہوئی۔ اس کمیٹی کے قائم ہوتے ہی مرزا بشیر الدین محمود نے ہر خاص و عام کو یہ تاثر دینا شروع کر دیا کہ ان کی صدارت میں اس کمیٹی کو قائم کر کے ہندوستان کے سرکردہ مسلمان اکابر نے ان کے والد مرزا غلام احمد قادیانی کے مسلک پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔ اس شر انگیز پروپیگنڈہ کے جلو میں قادیانیوں نے نہایت عجلت کے ساتھ اپنے مبلغین کو جموں کشمیر کے طول و عرض میں پھیلانا شروع کر دیا۔ تاکہ وہ ریاست کے سادہ لوح عوام کو ورغلا کر اپنے خود ساختہ "نبی" کے حلقہ بگوش بنانا شروع کر دیں یہ مہم کافی کامیاب رہی۔ کئی دوسرے مقامات کے علاوہ خاص طور پر شوپیاں میں مسلمانوں کی ایک خاص تعداد قادیانی بن گئی۔ پونچھ کے شہر میں بھی مسلمانوں کی اکثریت نے قادیانی مذہب اختیار کر لیا یہ خبر سنتے ہی رئیس الاحرار مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری پونچھ شہر پہنچے اور اپنی خطیبانہ

حاشیہ:۔ شہاب نامہ ص ۳۶۰، ۳۶۱

آتش بیانی سے قادیانیت کے دھوئیں کا ایسا پول کھولا کہ شہر کی جو آبادی مرزائی بن چکی تھی وہ تقریباً ساری کی ساری تائب ہو کر از سرِ نو مشرف بہ اسلام ہو گئی۔

آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی صدارت کی آڑ میں مرزا بشیر الدین محمود کی یہ چالبازیاں اور حرکات دیکھ کر علامہ اقبال ؒ نے شملہ والی کشمیر کمیٹی سے علیحدگی کا اعلان کر دیا۔ اس کے بعد انہوں نے کشمیر کے متعلق اس تحریک کی اعانت اور سرپرستی فرمانا شروع کر دی جو مجلس احرار نے بطور خود نہایت جوش و خروش سے شروع کر رکھی تھی۔"

——— قدرت اللہ شہاب نے ایک معتدل مصنف کی حیثیت سے بہت خوبصورت طریقے سے ان چند سطور میں قادیانیوں کی منافقانہ چالوں کا پردہ چاک کیا ہے اور قادیانیوں کی ناکامی اور نامرادی کا سہرا مجلس احرار کے سر باندھا ہے کہ احرار رہنماؤں کے بروقت اقدام سے کشمیری مسلمانوں کی اچھی خاصی تعداد راہ راست پر آ گئی اور کئی سادہ لوح مسلمان مرزائیوں کی مذہبی بھول بھلیوں سے نکل کر تائب ہو گئے۔ قدرت اللہ شہاب مرزائیوں کے خلاف مجلس احرار کی مزید کامیاب کاوشوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "علامہ اقبال کی سرپرستی میں تحریک کشمیر کی رہنمائی مرزا بشیر الدین محمود کی کشمیر کمیٹی سے نکل کر مجلس احرار میں آ گئی تو قادیانیوں نے متوازی خطوط پر اپنی کمیٹی چلانے کے لئے بہت ہاتھ پاؤں مارے لیکن احرار کے مقابلے میں ان کی دال نہ گل سکی کسی وجہ سے جس کا مجھے علم نہیں قادیانی عرصہ دراز سے کشمیر پر اپنا تسلط جمانے کا خواب دیکھتے چلے آئے ہیں ریاست میں مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی ایجی ٹیشن میں انہیں غالباً اپنے اس خوابِ پریشاں کی تعبیر نظر آنے لگی۔ لیکن مجلس احرار نے ان کی یہ امنگیں اور آرزوئیں خاک میں ملا دیں۔ اکتوبر ۱۹۳۱ء میں پہلے تو احرار کے چند سرکردہ قائدین نے خود سری نگر جا کر مہاراجہ ہری سنگھ اور اس کے وزیر اعظم سر ہری کرشن کول سے مل کر افہام تفہیم کے ذریعے معاملات سلجھانے کی کوشش کی۔ لیکن وہ لاتوں کے بھوت تھے باتوں سے کیسے مان جاتے مایوس ہو کر احرار کے لیڈر واپس آئے تو سارا پنجاب کشمیر چلو، کشمیر چلو کے نعروں سے گونج اٹھا۔ اور آزادی کشمیر کے متوالے رضا کاروں نے سر پر کفن باندھ کر ریاست کی سرحدیں

۱۔ شہاب نامہ ص ۲۶۳، ۲۶۴

عبور کرنے کا بیڑا اٹھایا۔"

مجلس احرار نے مرزائیوں کا ہر میدان میں بھرپور مقابلہ کیا۔ اس کے لئے انہیں جاہے جسقدر مشکلات کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ اس صورت حال کا دلچسپ انکشاف احرار رہنما ماسٹر تاج الدین لدھیانوی مرحوم کی کتاب "احرار اور تحریک کشمیر" میں ہوتا ہے کہ جب تمام احرار رہنما قید ہو گئے تو ماسٹر صاحب سردیوں کے موسم میں بڑی مشکل سے سرینگر پہنچے اور وہاں ایک بوٹ ہاؤس میں چھپ کر اس تحریک کے لئے بھرپور کام کرتے رہے۔ جبکہ اسی دریا کے دوسرے کنارے پر ایک بوٹ ہاؤس میں مرزا محمود کا نمائندہ عبدالرحیم درد مع اپنی دولت کے ریشہ دوانیوں میں مصروف تھا۔

اسی تحریک میں جب مجاہدین کا لشکر بارہ مولا پہنچ گیا اور قریب تھا کہ سری نگر پر قبضہ کرے تو ایک دفعہ پھر مرزائیوں نے اپنا کام دکھایا اور مسلمانوں کو اپنے مفاد کی خاطر زبردست دھوکہ دیا۔ قدرت اللہ شہاب کے نزدیک سری نگر پر قبضہ نہ کر سکنے کی ایک بڑی وجہ انہی مرزائیوں کا کردار تھا۔

"--- چوتھی[1] وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ بھارتی ففتھ کالم کے علاوہ قادیانیوں کے ایک منظم گروہ نے بھی اس موقعہ پر مسلمانوں کے ساتھ غداری کو عملی جامہ پہنانے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ یہ حقیقت ہے کہ اصلی آزاد کشمیر گورنمنٹ تو ۲۴ اکتوبر ۱۹۴۷ء کے روز قائم ہوئی تھی لیکن پونچھ میں جہاد کا رنگ اور روح بھانپ کر غلام نبی گلکار نامی ایک کشمیری قادیانی نے بیس روز قبل ہی ۴ اکتوبر کو اپنی صدارت میں آزاد جمہوریہ کشمیر کے قیام کا اعلان کر دیا تھا غالباً یہ اعلان راولپنڈی صدر کے ایک ہوٹل "ڈان" میں بیٹھ کر کیا گیا۔ اسی ہوٹل کے کمرے میں بیٹھے بیٹھے مسٹر گلکار نے اپنی تیرہ رکنی کابینہ بھی منتخب کر لی تھی جو زیادہ تر ایسے افراد پر مشتمل تھی۔ جن کا تعلق قادیانی مذہب سے تھا۔ اس اعلان کے دو روز بعد ۶ اکتوبر کو گلکار مظفر آباد کی راہ سے سری نگر پہنچ گیا۔ جہاں پر اس کی ملاقاتیں شیخ عبداللہ سے بھی ہوئیں اس کے بعد سری نگر میں اس کی حرکات و سکنات عام طور پر پردہ راز میں ہیں۔ لیکن باور کیا جاتا ہے

---

[1] شہاب نامہ صفحہ ۳۸۰، ۸۱

کہ بارہ مولا سے سرینگر کی جانب مجاہدین کی پیشقدمی سے قادیانیوں کے اپنے منصوبے خاک میں مل گئے۔ انہوں نے جب دیکھا کہ یہ جنت ارضی بلا شرکت غیرے قادیانیوں کے ہاتھ میں نہیں بلکہ پاکستان جانے والی ہے تو انہوں نے بھی ففتھ کالم کا روپ دھار کر اس امکان کو ملیا میٹ کر دیا۔

قادیانی نہ صرف تقسیم سے پہلے بلکہ تقسیم کے دوران اور پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے بعد بھی مسلمانوں کو نقصان پہنچاتے رہے ہے، اس کو قدرت کی ستم ظریفی سمجھیئے یا پاکستانیوں کی بدقسمتی کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کا جہاں پہلا وزیر قانون ایک ہندو منسٹر جوگندر ناتھ منڈل تھا وہاں پہلا وزیر خارجہ ایک قادیانی مسٹر سر چوہدری ظفر اللہ خاں تھا۔ جس نے باؤنڈری کمیشن میں بھی بھرپور کردار ادا کیا اور جسقدر ہو سکا پاکستانی سرحدوں کو نقصان پہنچایا جس کے لئے علیحدہ مضمون کی ضرورت ہے۔ پاکستان بننے کے بعد جب ہندوستانی فوجیں کشمیر پہ چڑھ دوڑیں اور بہت سے علاقوں پر قبضہ جمایا تو پاکستانی فوج نے ایک زبردست منصوبہ بنایا اس بارے میں جب سر ظفر اللہ کو معلوم ہوا تو فوراً جنگ بندی کا حکم دے دیا اس واقعہ کو شہاب اس طرح بیان کرتے ہیں۔

" ہندوستان کے ان ناپاک عزائم کو خاک ملانے کے لئے ہماری افواج نے اکھنور اور نوشہرہ کے درمیان فوجی رسل و رسائل کی سڑک کو کاٹنے اور رمنا ورتوی کے مغرب میں خاص طور پر چھمب پر حملہ کرنے عزم بالجزم کر لیا لیکن اے بسا آرزو کہ خاک شدہ خدا جانے اس منصوبے کی بھنک ہندوستان کے کان میں پڑ گئی یا اس کا علم یو۔این۔او کمیشن والوں کو ہو گیا کہ دسمبر کے دوسرے نصف میں کراچی سے اچانک چوہدری غلام عباس اور سردار ابراہیم کو بلاوا آ گیا میں بھی ان کے ہمراہ کراچی گیا۔ وہاں پہ وزیر اعظم لیاقت علی خاں کے ہاں ایک ہنگامی میٹنگ تھی جس میں وزیر خارجہ چوہدری ظفر اللہ خاں بھی موجود تھے میں خود تو اس میٹنگ میں موجود نہ تھا لیکن بعد ازاں اس کا احوال چوہدری غلام عباس کی زبانی سنا۔ دونوں کشمیری لیڈروں کو حکومت پاکستان کے اس فیصلے سے آگاہ کیا گیا کہ کشمیر میں جنگ بندی کی تجویز مان لی گئی ہے اور سیز فائر کے احکامات یکم جنوری ۱۹۴۹ء سے

(شہاب نامہ صفحہ ۴۱۴)

نافذ ہو جائیں گے۔ یہ فیصلہ کشمیری لیڈروں سے مشورہ نیز بشیر ادبان کو اعتماد میں لئے بغیر ہی کر لیا گیا تھا۔ غالباً دونوں لیڈر چھمب پر حملے کی تیاریوں سے کسی قدر آگاہ تھے۔ اس لئے چوہدری غلام عباس نے دریافت کیا کہ اس خاص موقع پر جنگ بندی کا فیصلہ تسلیم کرنے میں کونسی خاص وجوہات یا مصلحتیں ہیں؟ اس موضوع پر چوہدری غلام عباس اور چوہدری ظفر اللہ خاں میں گرماگرم بحث شروع ہو گئی بلکہ تلخ کلامی تک نوبت آ گئی لیکن فیصلہ اپنی جگہ برقرار رہا اور دونوں کشمیری لیڈر اپنا سا منہ لیکر کراچی سے واپس آ گئے ،،

چوہدری ظفر اللہ وہی ہیں جنہوں نے قائداعظمؒ کا جنازہ پڑھنے کی بجائے ایک طرف بیٹھنے کو ترجیح دی اور اخباری نمائندوں کے استفسار پر جواب دیا کہ آپ مجھے مسلم حکومت کا کافر وزیر یا کافر حکومت کا مسلم وزیر سمجھیئے۔ شہاب جب ہالینڈ میں تھے تو ان کے چوہدری ظفر اللہ سے دوستانہ مراسم بھی رہے۔ ان دنوں چوہدری صاحب کی "مذہبی غیرت" کا ایک واقعہ شہاب نامہ میں یوں تحریر کرتے ہیں۔

" ہالینڈ میں پہنچ کر محکمہ پروٹوکول کے ایک افسر نے مجھے برسبیل تذکرہ یہ بتایا کہ اگر ہم سور کے گوشت ریورک، ہیم، بیکن وغیرہ سے پرہیز کرتے ہیں تو بازار سے بنا بنایا قیمہ نہ خریدیں کیونکہ بنے ہوئے قیمے میں ہر قسم کا ملا جلا گوشت شامل ہو جاتا ہے۔ اس انتباہ کے بعد ہم لوگ ہالینڈ کے استقبالیوں کا من بھاتا کھاجا قیمہ کی گولیاں (MEAT BALLS) کھانے سے اجتناب کرتے تھے۔ ایک روز قصر امن (Peace Palace) میں بین الاقوامی عدالت عالیہ کا سالانہ استقبالیہ تھا۔ چوہدری ظفر اللہ خاں بھی اس عدالت کے جج تھے۔ ہم نے دیکھا کہ وہ قیمے کی گولیاں سر کے اور رائی کی چٹنی میں ڈبو ڈبو کر مزے سے نوش فرما رہے تھے۔ میں نے عفت سے کہا آج تو چوہدری صاحب ہمارے میزبان ہیں اس لئے قیمہ بھی ٹھیک ہی منگوایا ہوگا۔ وہ بولی ذرا ٹھہرو پہلے پوچھ لینا چاہئیے۔ ہم دونوں چوہدری صاحب کے پاس گئے۔ سلام کر کے عفت نے پوچھا چوہدری صاحب یہ تو آپ کی ریسپشن ہے۔ قیمہ تو ضرور آپ کی ہدایت کے مطابق منگوایا گیا ہوگا۔؟ چوہدری صاحب نے جواب دیا۔ ریسپشن کا موقع الگ ہے

شہاب نامہ ص ۱۰۰۳، ۱۰۰۴

قیمہ اچھالا ئے ہوں گے۔ یہ کباب چکھ کر دیکھو۔ عفت نے ہر قسم کے ملے جلے گوشت کا خدشہ بیان کیا۔ چوہدری صاحب بولے بعض موقعوں پر بہت زیادہ کہ ید میں نہیں پڑنا چاہیئے حضور کا فرمان بھی یہی ہے، دین کے معاملے میں عفت بے حد منہ پھٹ عورت تھی۔ اس نے نہایت تیکھے پن سے کہا یہ فرمان آپ کے حضور کا ہے یا ہمارے حضور کا ؟

"شہاب نامہ" میں واقعات دھیمے مگر تیکھے انداز میں پیش کیئے گئے ہیں ان کا یہی نیم طنزیہ انداز واقعہ کو لطیفہ کا رنگ دے دیتا ہے۔ اور اگر واقعہ مرزائیوں سے متعلق ہو تو یہ طنز تیر کا کام دیتا ہے۔ ایوبی دور کا ایک دلچسپ واقعہ یوں بیان کرتے ہیں۔

"ایک روز صدر ایوب نے حسب معمول اپنے سیاسی فلسفہ پر طولانی تقریر ختم کی تو ایک سینئر افسر وجد کی کیفیت میں آکر جھومتے ہوئے اٹھے اور سینے پر دونوں ہاتھ رکھ کر عقیدت سے بھرائی ہوئی آواز میں بولے "جناب آج تو آپ کے افکار عالیہ میں پیغمبری شان جھلک رہی تھی"

یہ خراج وصول کرنے کیلئے صدر ایوب نے بڑی تواضع سے گردن جھکائی۔ یہ سینئر افسر مرزائی عقیدے سے تعلق رکھتے تھے۔ معاً مجھے یہ خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں صدر ایوب سچ مچ اس جھوٹ موٹ کے اڑن کھٹولے میں سوار ہو کر بھک سے اوپر کی طرف نہ اڑنے لگیں۔ چنانچہ اس غبارے سے ہوا نکالنے کیلئے کھڑا ہو گیا اور نہایت احترام سے گزارش کی جناب ان صاحب کی باتوں میں ہرگز نہ آئیں۔ کیونکہ انہیں صرف خود ساختہ پیغمبروں کی شان کا تجربہ ہے۔"

اگرچہ "شہاب نامہ" میں مندرجہ بالا واقعات اور حقائق کسی خاص مقصد کے لئے نہیں لکھے گئے۔ تاہم ایک سچے اور کھرے انسان کی زبان اور قلم، سچ کی نمائندگی ہی کرتے ہیں۔ قدرت اللہ شہاب، نہ صرف دینی علم کا بلکہ جدید علوم کا بھی گہرا مطالعہ رکھتے تھے۔ اس لیئے انہوں نے اپنی سوانح عمری میں کئی جگہ قادیانیوں کے خود ساختہ پیغمبری عقائد کو طنزیہ انداز میں پیش کیا ہے۔ اور ان کے مسلم کش منصوبوں سے مسلمانوں کے اس طبقہ کو آگاہ کیا ہے۔ جو ان سفاکوں کو بے ضرر اور محب وطن سمجھتا ہے۔

شہاب نامہ ص ۸۲۸

سید عطاء المحسن بخاری

ایک تأثر!

عقل حیران، فکر گم سُم، ذہن ماؤف، حواس مختل، پھٹی پھٹی گریاں آنکھیں غم و اندوہ میں ڈوبا ہوا دل، تھکا تھکا ٹوٹتا ہوا بے رُوح سا جسم دارِ بنی ہاشم میں بیٹھا ہوا سب کے ہوتے ہوئے میں خود کو بالکل تنہا محسوس کر رہا تھا ساتھی بار بار پوچھتے کیا بات ہے آپ چپ چپ کیوں ہیں؟ کیا ہوا؟ میں نے کہا آپ کو معلوم نہیں اتنا خوفناک حادثہ ہو گیا ہے پوری قوم ایک ایسے چوراہے میں کھڑی ہوئی ہے جس کے چاروں سمت میں منزل کا راستہ نہیں ہے اوپر سے کڑی دھوپ گویا محشر کا سا منظر یہ کیا ہوا ضیاء الحق اور ان کے ساتھی کس کے تیرِ بے اماں کا نخچیر ہو گئے یہ کس ظالم نے ہمارے کلیجے میں تاک کے تیر مارا ہے کہ ساری آرزوئیں، تمنائیں، خواہشیں خون میں نہا گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

میں اسی بحرِ غم میں ڈبکیاں لے رہا تھا کہ دفعتاً دل کی دھڑکنیں بہت تیز ہو گئیں اور میں نے تصور کے اُفق پر اُڑتے اور پھیلتے ہوئے غبار میں ایک دھندلی سی تصویر دیکھی۔ پہلی نظر میں تو وقتی آنکھیں اس شبیہ کو نہ پہچان سکیں مگر فوراً سنبھل کر میں مؤدب ہو گیا کہ ایک صورت نہ تھی یہ تو بہت سی مقدس صورتیں غبارِ فلک کو صاف کرتی میری طرف بڑھتی چلی آ رہی تھیں میں نے ان کے قرب کی مہک اپنے سانسوں میں محسوس کی میری روح کو ان کے قرب نے سکون و طمانیت بخشی۔ میرا اضطراب دور ہوتا ہوا محسوس ہوا میرا کرب آہستہ آہستہ کم ہونے لگا جب میں نے جلال الدین رومی، سید عطاء اللہ شاہ اور علامہ محمد اقبال کے ہیولوں کے درمیان اپنے آپ کو پایا۔ میں نے بڑے احترام کے ساتھ حضرت رومی کی خدمت میں اپنے دکھ درد اور غم واندوہ کی کتھا کہہ سنائی۔ مولائے روم نے آنکھیں بند کر لیں اور لمحوں یہی حالت رہی پھر انہوں نے آنکھ کھولی تو آپ کی آنکھیں سرخ تھیں۔ علامہ اقبال دست بستہ آگے بڑھے تا کہ اس جلال کا سبب پوچھیں، تو مولائے روم نے فرمایا تم خود بتاؤ مجھ سے کیا پوچھتے ہو۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری بھی بڑھ کے قریب تر ہو گئے۔ حضرت اقبال نے سرگوشی کے انداز میں اُن سے کچھ کہا اور پھر بادیدۂ نم میری طرف

متوجہ ہوئے اور فرمایا سیدزادے یہ ایسی پہیلی نہیں جو بوجھی نہ جا سکتی ہو تم میرا ایک پیغام بہ بانگِ دہل پورا

پاکستانی قوم کو سُنا دو میں سراپا سماعت بن کر متوجہ ہوا تو حضرت علامہ گویا ہوئے ؎

جعفر از بنگال و صادق از دکن

ننگِ ملت ، ننگِ دیں ، ننگِ وطن

میرے اوہام یقین میں مجسّم ہوگئے۔ میری روح میں غیرت و انتقام کی لہر دوڑ گئی اور میں نے حضرتِ نقاشِ پاکستان کا پیغام ملتِ اسلامیہ کی سماعت تک پہنچانے کا عزمِ مصمّم کر لیا۔

میں اسی سوچ میں تھا کہ مجھے حضرت علامہ نے پھر مخاطب کیا اور فرمایا سیدزادے سنو! تم اور تمہارے تمام ساتھی پوری ملتِ اسلامیہ کو میرا ایک ایک پیغام سناؤ اور یوں سناؤ جیسے محمل کے بوجھل ہوجانے سے سارباں حدی خوانی میں وہ حرارت و حدت پیدا کر دیتا ہے کہ صحرا کے ذرّے بھی گوش بر آواز ہو جاتے ہیں، جاؤ اور اس وقت تک چین سے نہ بیٹھو جب تک پوری قوم آمادۂ عمل نہ ہو جائے۔

درِ دلِ مومن مقامِ مصطفیٰ است

آبروئے ما ز نامِ مصطفیٰ است

بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست

گر باو نرسیدی تمام بولہبی است

وہ نبوت ہے مسلماں کیلئے برگِ حشیش

جس نبوت میں نہ ہو قوت و شوکت کا پیام

اور دیکھو برخوردار دائیں بائیں سے بے نیاز ہو کر نتائج سے بے پرواہ ہو کر محض اللہ کی رضا کیلئے اس راستے میں اپنی تمام توانائیاں صرف کر دو۔ مولانا حسرت موہانی نے فرمایا علامہ کی بات بات حکیمانہ ہے اور اسی حکیمانہ فکر سے قوم کی سمت درست کر دو تاکہ پاکستانی مسلمانوں کا مستقبل تاریکیوں میں ڈوبنے سے بچ جائے۔ میں کچھ اور پوچھنا چاہتا تھا کہ امیر شریعت نے فرمایا اس سے بہتر کوئی پیغام نہیں اور اس سے بڑھ کر کوئی پروگرام نہیں۔ تمام احرار ساتھیوں سے میرا سلام کہو اور ان سے کہو کہ علامہ نے جو مشن تمہارے سپرد کئے ہیں ان پر کمربستہ ہو جاؤ ــــ جاؤ خدا اللہ تمہارا حامی و ناصر ہو۔

عبدالخالق خالد
راولاکوٹ (آزاد کشمیر)

نفاذِ شریعت کا عملی پہلو

خُدا کے بندوں پر خدا کی سرزمین میں خُدا کا قانون نافذ کرنے کی جو حکمتِ عملی پاکستان میں اختیار کی جا رہی ہے۔ اس کے دو پہلو ہیں ایک شریعت کا مسودہ اور دُوسرا اُسے نافذ کرنے والے امراء۔ شریعت کا مسودہ تیار کرنے کی اپنے طور پر بہت زیادہ اہمیت ہے۔ مگر اس مسودے کو نافذ کرنے والے عاملین کی اہمیت اس سے بڑھ کر ہے۔ معاشرے کا جو طبقہ شریعت کا فہم نسبتاً زیادہ رکھتا ہے۔ وہ اساتذہ کا طبقہ پرائمری سے یونیورسٹی تک کے معلمین جن میں یہ صلاحیت پائی جاتی ہے کہ وہ نفاذِ شریعت کا اہم کارنامہ سرانجام دے سکتے ہیں۔ تجویز یہ ہے کہ یہ مقدس فریضہ اسی مقدس شعبے کو تفویض کیا جائے۔ شریعت آرڈیننس میں کوئی اصلاح طلب نقاط بھی ہوں تو عاملین شریعت اس کی نوک پلک درست کرتے ہوئے اسے اپنی حقیقی روح کے ساتھ نافذ کر لیں گے۔ یہ انتظامات ایڈہاک بنیاد پر کئے جا سکتے ہیں۔ فوری طور پر شریعت سیکرٹریٹ نظامت اور نچلی سطح پر ہزاروں کارپردازوں کی تقرری کے لئے کروڑوں روپے کی ضرورت ہے۔ جو فوری طور پر بجٹ پر بڑا بوجھ ہے۔ اگر یہ فریضہ اساتذہ کو سونپا جائے تو بجا طور پر توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ اپنے فرائض منصبی کی بجاآوری کے ساتھ اضافی فریضے کے طور پر نفاذِ شریعت کے لئے بھی اپنی صلاحیت اور اوقات وقف کر سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں نفاذِ شریعت کے لئے حسبِ ذیل شیڈول بطور تجویز پیش خدمت ہے۔

نفاذِ شریعت کا انتظامی ڈھانچہ

دینی جذبہ رکھنے والے اساتذہ کا چناؤ کر کے ایڈہاک بنیاد پر شریعت کا نفاذ کیا جائے۔

شریعت سیکرٹریٹ

سیکرٹری	سکیل	۲۵	سیکشن آفیسر	،، ۱۸/۱۹
ڈپٹی سیکرٹری	،،	۲۱	کلریکل سٹاف	

نظامتِ شریعت

ناظم	سکیل	۲۵
نائب ناظمین	"	۱۹
ضلعی مہتمم	"	۱۹
نائب ضلعی مہتمم	"	۱۸
کلریکل سٹاف		

بنیادی اکائی (محلہ مسجد)

مقامی مہتمم	سکیل	۱۷
نائب مہتمم	"	۱۶
معاونین	"	۹، ۷

بالائی اکائی (جامع مسجد)

مہتمم	سکیل	۸
نائب مہتمم	"	۱۷
معاونین	"	۹ تا ۱۴

دائرہ کار

۱۔ نظامِ صلوٰۃ و زکواۃ کا قیام

۲۔ امن و امان

۳۔ شریعت کی تبلیغ و تشہیر

۴۔ تنازعات کے فیصلے اور مصالحت

ناظم ضلع کی حیثیت

ضلعی ناظم کو وہی مقام دیا جائے جو مروجہ نظام میں ڈپٹی کمشنر کو حاصل ہے۔ قومی جھنڈی ڈی سی بجائے ناظمِ ضلع کو دی جائے۔

شعبۂ خواتین

علمات پر مشتمل علیحدہ انتظامی و عدالتی ڈھانچہ خواتین کے لئے نافذ کیا جائے

اختیارات و مراعات

۱۔ سالانہ خصوصی ترقی

۲۔ اطمینان بخش کارکردگی پر پرموشن

۳۔ خصوصی مراعات

۴۔ منتظمین کو مجسٹریٹ کے اختیارات تفویض کئے جائیں۔

۵۔ عاملینِ شریعت کو اہم ترین ملازمین قرار دیا جائے۔

۶۔ شریعت کو اعلیٰ ترین سروس قرار دیا جائے۔

تربیتی نظام

عاملین اور دیگر ملازمین کو شریعت کے ریفریشر کورس کرا دئے جائیں۔ احکاماتِ شریعت ایک نظم کے تحت سیمنار، اجتماعات، مساجد میں سکھائے جائیں۔

شریعت فہمی

پوسٹر، سٹیکر اور کیسٹ کے ذریعے دینی تعلیمات عوام کو سکھائی جائیں۔ فوج، پولیس، سرکاری، نیم سرکاری اداروں کارخانوں اور ریلوے میں شریعت کمیٹیاں تشکیل دے کہ ہر سطح اور ہر گوشے میں شریعت نافذ کرائی جائے۔

درج ذیل شعبہ جات بھی نفاذِ شریعت کے لئے تشکیل کئے جائیں:

۱۔ شعبہ اخفاء

۲۔ شعبہ احتساب

۳۔ شعبۂ افتاء اور نصاب سازی

شریعت سیکرٹریٹ براہِ راست صدر مملکت کے ماتحت ہو۔ اس سلسلے میں آہنی اقدامات کئے جائیں۔

صدائے حق: دینی اتحاد وقت کا اہم تقاضٰی ہے — !

اگر علماء متحد نہ ہوئے تو قوم کو خونی انقلاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اسلام دشمن عناصر مساجد کو ویران اور دینی مدارس کو ختم کرنے کی سازشیں کر رہے ہیں۔ یہ فتنوں کا دور ہے۔ جو لوگ اسلام کا دعوٰی کرتے ہیں، عوام انہیں پرکھیں۔ علماء حق کو چاہیئے کہ وہ آنے والے خطرات کے مقابلہ کیلئے متحد ہو جائیں۔ اسلام کا نام لے کر جمہوریت کی بات کرنے والے اور اسلام کے ساتھ کسی ازم کی پیوندکاری کرنے والے دو عملی پالیسی پر عمل پیرا ہیں۔ اسلام سب سے بڑی صداقت ہے، اسلام کفر کے سہاروں کا محتاج نہیں۔ اسلام کو خالصتہً اسلام کے نام پر ہی نافذ کیا جا سکتا ہے۔ نفاذِ اسلام کے عظیم مقصد کو حاصل کرنے کیلئے دینی قوتوں کا اتحاد وقت کا اہم تقاضٰی ہے۔ آئیے! متحد ہو کر اس خالص دینی جدوجہد کا آغاز کریں۔ فتح و نصرت ہمارا ہی مقدر ہے۔

قائد احرار، جانشینِ امیر شریعت حضرت مولانا سید ابو معاویہ ابوذر بخاری مدظلہ، خطاب ۱۵ جون ۱۹۷۵ء (ظاہر پیر)

میں سمندر ہوں میں موجوں میں بکھر جاؤں گا

میں ضیاء ہوں اندھیروں سے نہ ڈر جاؤں گا
زینہ زینہ قوم کے دل میں اتر جاؤں گا
میں تو حیراں ہوں کہ میرے وطن کے شاطر
خاک سمجھے ہیں مجھے مر کے بکھر جاؤں گا
کون کہتا ہے کہ یوں مر کے فنا ہوتے ہیں
میں بقا ہوں میں بقاؤں میں بکھر جاؤں گا
میں وہ آنسو ہوں جو پتھر کو بھی پگھلائے گا
میں سمندر ہوں میں موجوں میں بکھر جاؤں گا
لوگ کیا جانیں کہ اللہ سے تعلق کیا ہے
اس تعلق سے تو میں پل سے گزر جاؤں گا

وفا کو روپ مل گیا

ہوا کے دوش پہ ضیاء جو سوئے منتہٰی چلے
وفا کے رنگ و نور کو افق پہ یوں سجا کے چلے
کہ چاہتیں
جو روح کی غاروں میں چھپی تھیں سب نکل پڑیں
وہ ولولے جو تہ بہ تہ دبے دبے مچل رہے تھے سب ابل پڑے
اور لوگ جذبِ بے کراں لئے
کشاں کشاں رواں دواں
ضیاء کی لاش پہ اُمڈ پڑے
اور آنسوؤں کے سیلِ بے پناہ میں لاش کو نہا گئے
وفا کو روپ مل گیا
تو غُل ہوا ضیا مرا؟ نہیں مرا۔
وہ مر کے پھر سے جی اٹھا افق افق پہ چھا گیا

قمر الحسنین

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

اور

تدوینِ قانونِ اسلامی

بھی براہِ راست جنابِ رسالت سے تفقہ کرتے رہے۔ اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ تعریفی سند حاصل فرمائی کہ جسے قرآن سیکھنا ہو وہ عبداللہ بن مسعود سے سیکھے[1] ان کی ذہانت اور قابلیت دیکھ کر حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت کے زمانے میں ان کو کوفے میں معلّم بنا کر بھیجا[2] اور یہ وہاں کی جامع مسجد میں فقہ کا درس دیتے رہے، ان کے شاگردوں میں یمن ہی کے دو فاضل علقمہ اور اسود نخعی (ف ۶۲ھ) نے امتیاز حاصل کیا۔ اور کوفے میں حضرت ابن مسعودؓ کے جانشین بنے، علقمہ کے شاگردوں میں ابراہیم نخعی ایک اور یمنی نے مسجد کوفہ میں درس فقہ کا سلسلہ جاری رکھا، اور جب ابراہیم نخعی کی وفات ہو گئی تو حماد بن ابی سلیمان نے جو غالباً ایرانی تھے کوفے کی درس گاہِ فقہ کو مزید شہرت عطا کی ابوحنیفہ انہیں حماد کے شاگرد اور جانشین ہیں۔

صرف اتنا ہی نہیں، حضرت علیؓ بھی جو انا مدینۃ العلم وعلی بابہا[3] کے خطاب سے بارگاہ نبوی سے سرفراز ہوتے تھے[3] وہ بھی آخری عمر میں کوفہ چلے آئے۔ اور اس طرح حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت علیؓ دونوں کے علوم کوفے میں جمع ہو گئے

---

[1] الاستیعاب لابن عبد البر صفحہ ۱۵۳۶

[2] ایضاً " "

[3] یہ حدیث زبان زدِ عام تو ہے لیکن صحاح میں سے صرف ترمذی میں "انا دار الحکمۃ وعلی بابہا" کے الفاظ میں وارد ہے اور ترمذی نے اُسے حدیث منکر قرار دیا ہے۔

مزید برآں یہ کہ مدینہ منورہ میں توسیع فقہ کے لئے شوریٰ اور اجماع کا ادارہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے خاصا منظم کر دیا تھا اس دور کے فیض یافتہ تابعین میں سے "فقہائے سبعہ" نے جلدی ہی بڑا امتیاز پیدا کر لیا اور ان سات ماہرین کی کمیٹی نے ایک طرح سے قانون سازی اپنے ہاتھ میں لے لی تھی، سخاوی[1] نے وضاحت سے بیان کیا ہے کہ خود قاضی بھی مدینہ منوّرہ میں اس مجلسِ ہفت گانہ سے مشورہ لیتے اور اس کے فتوے کے پابند تھے، ان لوگوں کے نام قابل ذکر ہیں:-

۱۔ ماہر قرآن و حساب و میراث حضرت زید بن ثابت کے بیٹے خارجہ (جو طلحہ بن عبداللہ بن عوف کے اشتراک عمل سے تقسیم وراثت کے مقدمات فیصلہ کرتے۔ اور معاہدات کی دستاویزیں لکھتے)

۲۔ حضرت ابوبکرؓ کے پوتے قاسم،

۳۔ حضرت زبیر کے بیٹے عروہ

۴۔ بی بی میمونہ یا بی بی اُمِ سلمہ کے مولیٰ سلیمان بن یسار

۵۔ عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود

۶۔ سعید بن المسیب

۷۔ عبدالرحمٰن بن عوف کے بیٹے ابوسلمہ یا حضرت عمر کے پوتے سالم یا ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن الحارث بن ہشام القرشی، اس ساتویں رکن کے تعین میں اختلاف ہے، اور تینوں نام لئے جاتے ہیں، جو تینوں مشہور فقیہ تھے، ممکن ہے مذکورہ بالا چھ میں سے بعض کے انتقال پر دو نئے ارکان اس کمیٹی میں شریک کر لئے گئے ہوں۔

امام ابوحنیفہ نے اپنے زمانے کی دنیائے اسلام کے اکثر اہم مرکزوں میں تعلیمی سفر اختیار کیا اور خاص کر مکہ اور مدینہ کئی دفعہ گئے اور مجلسِ ہفت گانہ فقہائے سبعہ کے جو ارکان زندہ تھے ان سے خوب فیض حاصل کیا تھا، اسی طرح حضرت علیؓ کے خاندانی سلسلے کے ممتاز ارکان امام محمد باقر اور امام جعفر صادق اور امام زید بن علی زین العابدین سے بھی سالہا سال استفادہ کیا اور آخر میں کوفے ہی میں متوطن ہو کر وہیں فقہ کا درس دیتے رہے۔

ان حالات میں کوئی حیرت نہ ہو اگر سفیان بن عیینہ نے اپنے زمانے کے حالات دیکھ کر یہ کہا ہو کہ "اگر کوئی غزوات و تاریخ اسلام کی تعلیم پانا چاہتا ہے تو اس کا مرکز مدینہ منورہ ہے،

اور کوئی مناسک حج کی مہارت پیدا کرنا چاہتا ہے تو مکہ اور اگر فقہ چاہتا ہے تو کوفہ[1]"

رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دس سالہ مدنی زندگی میں جس سیاست کی بنیاد ڈالی تھی اور خاص کر آخری سالوں میں ایران و روم کے لئے جو کارروائی شروع کی تھی۔ اس کو آپ کے جانشینوں نے جاری رکھا اور جب عراق وشام دمشق بھی شہر مدینہ کے نظام مرکزی میں منسلک ہوگئے تو ناگزیر بہت سے صحابہ ان مقبوضہ علاقوں میں جا متوطن ہوگئے، اس وقت دنیا میں مسلمانوں کے جو فقہی مذاہب رائج ہیں وہ زیادہ تر تین ہی صحابہ کے مکاتب کی روایات کے حامل ہیں، یعنی حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہم۔

حضرت ابن مسعود جیسا کہ بیان ہوا کوفہ جا بسے تھے، جو نو آباد اور خالص عربی شہر تھا اگرچہ عراق میں واقع اور ایرانی تمدن کے اثرات سے گھرا ہوا تھا اور ان کے تعلیمی سلسلے کی براہ راست پیداوار علقمہ، نخعی پھر حماد اور پھر ابو حنیفہ ہیں۔

حضرت ابن عمر زیادہ تر حجاز میں رہتے تھے، ان کے شاگردوں میں ان کے مولانا فع نے بڑا امتیاز حاصل کیا، امام مالک انہیں کے شاگرد تھے اور مدینہ منورہ میں رہتے تھے۔ امام مالک کے شاگرد امام شافعی اور امام شافعیؒ کے شاگرد امام احمد بن حنبل ہیں۔

حضرت علی پیغمبر اسلام کے چچا زاد بھائی، پروردے اور داماد تھے، زیادہ تر مدینے میں رہے، آخری عمر میں سیاسی ضرورتوں سے کوفے جا رہے تھے، ان کی تعلیم کا ایک خاندانی سلسلہ بھی چلا، اور جملہ شیعہ مذاہب اسی کی شاخیں ہیں۔

---

[1] مناقب ابی حنیفۃ للصمیری مخطوط استنبول (فوٹو دراحیاء المعارف النعمانیہ حیدرآباد) ورق ۱۶/ا نیز معجم البلدان یاقوت ذکر کوفہ

لاہور میں "نقیب ختم نبوت" کا تازہ شمارہ ہم سے حاصل کیجئے!
چودھری بک ڈپو
اتحاد کالونی، مغل پورہ، لاہور

رحیم یار خان میں "نقیب ختم نبوت" اور عالمی مجلس احرار اسلام کا دیگر لٹریچر ہم سے حاصل کریں
ابو معاویہ حافظ محمد صدیق قمر مدرسہ جامعہ فاروقیہ رحیم یار خان عثمان پارک فون ۵۱۹۴۳

چند یادیں :

امیرِ شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاریؒ

ماسٹر تاج الدین انصاریؒ

دُنیا ایک ایسی سرائے ہے جہاں لوگ آتے ہیں چلے جاتے ہیں۔ یہ لامتناہی سلسلہ مُدتِ مدید سے جاری ہے اور تا قیامِ قیامت جاری رہے گا۔ جب کوئی عظیم شخصیت اپنی عظمت کا سکہ بٹھا کر آنکھوں سے اوجھل ہو جاتی ہے تو ایک ایسا خلا پیدا ہو جاتا ہے جو کسی صُورت پُر نہیں ہوتا تب ہم یادوں کے سہارے محبوب ہستیوں کو تصورات کی دنیا میں واپس لانے کی اُدھوری سی کوشش کرتے ہیں۔ مگر جو ایک بار چلا جاتا ہے وہ کبھی واپس نہیں آتا۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ عظیم شخصیت کے مالک تاریخی انسان اور مجموعۂ کمالات تھے۔ جن خوش نصیبوں کو حضرت شاہ صاحبؒ کی رفاقت کا شرف حاصل ہوا انہیں معلوم ہے کہ رحمتِ پروردگار کس طرح موصوف کی دستگیری فرماتی تھی۔ مجھے آج حضرت شاہ صاحب کی زندگی کا ایک حیرت انگیز واقعہ پیش کرنے کی سعادت نصیب ہو رہی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ قادیان کانفرنس کے انعقاد نے جب قصرِ مرزائیت کی دیواروں کو ہلا دیا تو خلیفۂ قادیان مرزا محمود صاحب نے حکومتِ پنجاب کی بے توجہی اور غیر جانبداری کا شکوہ کیا تاریں ہلیں اور حکومت کے کل پرزے حرکت میں آگئے سوال یہ اُٹھایا گیا کہ قادیان مرزائیوں کا مقدّس مقام ہے مرزائی حضرات اسے اپنا کعبہ سمجھتے ہیں یہاں ان کے پیغمبر کا مزار ہے اس لئے قادیان میں کسی غیر مرزائی گروہ کو جلسہ یا کسی قسم کا مذہبی اجتماع کرنے کی اجازت نہ ہونی چاہیئے اگر اب ایسا ہوا تو فساد ہو گا جس کی ذمہ داری احرار یا گورنمنٹ پر ہو گی۔ مرزا محمود سے اس قسم کا احتجاج کرا کے حکومت نے بظاہر اپنے ہاتھ مضبوط کر لئے چنانچہ حکومت پنجاب نے اعلان کر دیا کہ قادیان اور اس سے ملحقہ آٹھ میل کے رقبہ میں کسی غیر مرزائی خصُوصاً احرار کو جلسہ کرنے اور اس نیّت سے قادیان میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے یعنی حکو [illegible] کے گرد گرفتاری یا بندی کی خار دار

تاریں لگادیں تاکہ خلیفہ قادیان کی راجدھانی محفوظ ہو جائے۔ اس احتیاطی تدبیر کے بعد یہ سمجھا گیا کہ اب بخاریؒ کی تبلیغی یلغار کا خطرہ ٹل گیا ہے مگر یہ خوش فہمی تھوڑے ہی عرصہ بعد دُور ہو گئی احرار نے قادیان سے آٹھ میل اور کچھ فرلانگ دُور یعنی قانونی حدود سے ذرا ہٹ کر یک روزہ کانفرنس کا اعلان کر دیا اردگرد کے ہزارہا مسلمانوں کے اجتماع میں بخاریؒ نے ختم نبوت کے موضوع پر عام فہم اور دلنشیں انداز میں بڑی پیاری تقریر کی اس حادثے پر حکومت کھسیانی ہو کر رہ گئی پنجاب کی حکومت زیادہ بدنام نہ ہونا چاہتی تھی۔ اس لئے خاموش ہو گئی۔ مجلس احرار کے رہنماؤں نے ایچ پیچ کی بات کبھی پسند نہیں کی وہ اپنا تبلیغی حق کسی صورت چھوڑنے پر آمادہ نہ تھے وہ اس صورتِ حال پر مطمئن نہ تھے انہیں یہ گوارا نہ تھا کہ آٹھ میل کی پابندی کو قبول کریں۔ چنانچہ قانون شکنی کا فیصلہ کر کے احرار رہنماؤں نے یکے بعد دیگرے خود کو گرفتاری کے لئے پیش کر دیا پکڑ دھکڑ شروع ہو گئی ایک ہنگامہ بپا ہو گیا حکومت نے خلیفۂ قادیان کے اطمینان قلب کے لئے جو پاپڑ بیلے تھے بیکار ثابت ہوئے تاہم آٹھ میل سے باہر جلسہ کرنے کی پابندی قائم رہی پابندی کی مدت ختم ہوتی تو تازہ پابندی لگا دی جاتی، یہ سلسلہ کچھ عرصہ جاری رہا میں ان دنوں احرار کے سیاسی مشیر یا نمائندے کی حیثیت سے قادیان میں مقیم تھا مجھے خطرہ لاحق ہوا کہ خلیفہ محمود کے کارندوں اور مشیروں نے اگر میرے خلاف ریشہ دوانی کر کے مجھے قادیان سے نکلوا دیا تو احرار کا پروگرام پایۂ تکمیل تک پہنچنے میں مشکلات کا سامنا ہوگا میں ابھی اس خدشے کو محسوس کر ہی رہا تھا کہ مجھے حکومت کی جانب سے چوبیس گھنٹے کے اندر قادیان چھوڑ دینے کا نوٹس موصول ہو گیا میں اس نوٹس کے لئے تیار تھا، چنانچہ میں نے اپنی مسجد میں قادیان کے مسلمانوں کو جمع کیا ان کے سامنے ایک تقریر کی میں نے کہا کہ یہ نوٹس جس کے ذریعہ مجھے قادیان سے نکالا جا رہا ہے میری منشا کے مطابق ہے میں نے سیاسی کارکن کی حیثیت سے ہندوستان کے کونے کونے میں کام کیا ہے اب مبلغ احرار کی حیثیت سے ہندوستان بھر کا دورہ کروں گا۔ یہ نوٹس میری تقریر کا عنوان ہو گا میں مسلمانوں سے اپیل کروں گا کہ کسی مرزائی مبلغ کو کسی شہر میں کسی قسم کی تبلیغ کی اجازت نہ دیں اگر حکومت کسی مسلمان کو ———— قادیان میں کہنے اور اسلام کی تبلیغ کرنے کی اجازت نہیں دیتی تو ان مرزائیوں کو ہندوستان میں تبلیغ کا کیا حق ہے اس طرح کی باتیں کر کے میں مسجد سے چلا آیا دوسرے دن شام کی گاڑی سے مجھے قادیان کو خیر باد کہنا تھا، میری روانگی سے قبل مجھے ایک اور نوٹس ملا کہ میں قادیان سے باہر نہیں جا سکتا دیکھا حکومت کس مستعدی سے قادیان کے بارے میں قلم برداشتہ احکامات جاری کرتی تھی مجھے دو سال قادیان میں رہ کر اہلِ قادیان اور خداوندِ قادیان کے مطالعے کا موقعہ ملا کافی تجربہ کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ اُمتِ مرزائیہ مسلمانوں سے براہِ راست ٹکر لینے کے لئے کبھی آمادہ نہیں ہوتی وہ اپنے مذہبی پیشوا خلیفہ قادیان کی سربراہی میں کسی قسم کا اقدام کرنے سے قبل، بس صورتِ حال پیدا کر دیتی ہے کہ جوابی

کارروائی کے لئے جب بھی مسلمانوں کا کوئی سا طبقہ میدان میں قدم رکھے تو ان کا مقابلہ مرزائیوں کی بجائے حکومت سے ہو۔ مرزائی بیچ میں سے صاف نکل جائیں آٹھ میل کی پابندی کے نوٹس نے یہی صورت پیدا کر دی تھی مرزائی بڑی خوبصورتی سے اپنا دامن صاف بچا کر نکل گئے تھے۔ احرار رہنماؤں نے اس صورتِ حال کا بغور مطالعہ کیا خود میں نے بھی جب مجھ سے رہنماؤں نے پوچھا اسی رائے کا اظہار کیا کہ ہمیں بحالاتِ موجودہ حکومت سے الجھنا نہیں چاہیئے اس الجھاؤ میں مرزائیوں کو فائدہ پہنچ رہا ہے حکومت ان کے زیادہ قریب ہوتی جا رہی ہے قانون ان کے زیادہ دستگیری کر رہا ہے بہرحال کچھ عرصے کے لئے خاموشی طاری ہوگئی۔ اُمتِ مرزائیہ بھی مست ہو کر بیٹھ گئی حکومت نے بھی چین کا سانس لیا میری طبیعت جب قادیان کے مختصر مگر روحانی کوفت کے میدان میں بور ہو جاتی تھی تو میں دو ایک روز کے لئے چودھری افضل حق ؒ سے ملنے لاہور چلا آتا یا حضرت شاہ صاحب ؒ کی زیارت کے لئے امرتسر ان کے دولت کدہ پر حاضر ہو جاتا تھا اس طرح تسکینِ قلب حاصل کر کے تازہ دم ہو کر پھر قادیان پہنچ جاتا تھا۔ میری پابندی ختم ہو چکی تھی آٹھ میل والی پابندی کے ختم ہونے میں ابھی دو چار دن باقی تھے۔ حکومت بار بار تازہ پابندی لگانے سے بدنام ہو چکی تھی اب اسے پابندی لگانے میں تذبذب تھا۔ احرار نے بظاہر پابندی قبول کر لی تھی۔

حضرت امیر شریعت کا جذبہ اخلاص

میں ایک روز حضرت شاہ صاحب سے ملنے کے لئے قادیان سے امرتسر ان کے مکان پر پہنچا تو وہ بے تابانہ مجھ سے بغل گیر ہوئے۔ فرمانے لگے ہم نے تمہیں خطرناک محاذ پر بھیج رکھا ہے ہم وہاں پہنچ بھی نہیں سکتے کیا کیا جائے پھر فرمانے لگے یار کوئی تگڑم لڑاؤ مجھے کسی طرح قادیان لے چلو میں نے ادب سے عرض کیا شاہ صاحب اپنے بس کی بات نہیں ہے کچھ دن خاموش رہنا مناسب ہے۔ اللہ بہتر کرے گا۔ آپ کی دعائیں شاملِ حال ہیں۔ میں اپنے کو کبھی تنہا محسوس نہیں کرتا۔ اس طرح کافی دیر قادیان کے بارے میں گفتگو ہوتی رہی۔ قادیان سے جانبِ مشرق تقریباً دس میل کے فاصلے پر ایک ہفتہ بعد احرار کی ایک روزہ کانفرنس میں حضرت شاہ صاحب ؒ کی تقریر ہونے والی تھی مجھے شاہ صاحب ؒ نے فرمایا اس اجتماع کے موقع پر تم آؤ گے؟ میں نے حاضری کا وعدہ کیا اور واپس قادیان چلا آیا، آٹھ میل والی پابندی ختم ہوئی تو مرزائیوں نے پھر واویلا شروع کیا ان کا پراپگنڈا یہ تھا کہ جس روز عطاء اللہ شاہ بخاری ؒ قادیان میں قدم رکھیں گے یہاں خوفناک فساد ہوگا، مگر حکومت نے اس پراپگنڈے کا کوئی اثر نہ لیا، اب وہ نئی پابندی لگانے میں پس و پیش کر رہی تھی یعنی پابندی کا معاملہ معلق تھا۔

یک روزہ احرار کانفرنس

اعلان کے مطابق قادیان سے نو دس میل جانب مشرق کسی بڑے گاؤں میں مسلمانان علاقہ کا بہت بڑا اجتماع ہوا۔ نمازِ عشاء کے بعد حضرت امیر شریعتؒ نے ایمان افروز تقریر کی مجمع خاموشی سے دم سادھے ہمہ تن آغوش تھا یوں محسوس ہوتا تھا جیسے نُور کی بارش ہو رہی ہو۔ حضرت شاہ صاحبؒ جب لحن داؤدی میں آیات ربانی تلاوت کرتے تو سامعین پر وجد طاری ہو جاتا۔ تہجد کے وقت تک رشد و ہدایت کے دریا بہتے رہے دُعاء کے بعد اجلاس بخیر و خوبی برخاست ہوا مجھے اسی کمرے میں سونے کے لئے جگہ مل گئی جہاں حضرت شاہ صاحبؒ کو ٹھہرایا گیا تھا۔ فجر کی اذان سے تھوڑی دیر قبل میری آنکھ کھلی میں نے حضرت شاہ صاحب کو جگایا اور ان سے عرض کیا کہ ہمیں سورج طلوع ہونے سے قبل بٹالے پہنچ جانا چاہیئے۔ آپ ضروریات سے فارغ ہو کر وضو بنالیں میں ڈرائیور کو جگاتا ہوں اور اسے کہتا ہوں کہ بس کو سٹارٹ کرے۔ ہم نے صبح کی نماز پڑھی میں نے ڈرائیور سے سرگوشیوں میں یہ پروگرام طے کر لیا۔ اگلی سیٹ پر میں اور حضرت شاہ صاحبؒ بیٹھ گئے۔ پیچھے باقی کارکن بیٹھ گئے۔ بس چلی تو سبھی اُونگھنے لگے، حضرت شاہ صاحب مجھ سے باتوں میں مشغول ہو گئے۔ پانچ چھ میل کے فاصلے پر موڑ آ گیا ایک راستہ بٹالے کو اور دُوسرا قادیان کو جاتا تھا بس قادیان کی سڑک پر ڈال دی گئی میرے اور ڈرائیور کے سوا کسی کو معلوم نہ تھا کہ بس کدھر جا رہی ہے سورج کی شعائیں پھوٹیں تو ہر شئے نظر آنے لگی۔ ریلوے لائن کو جب بس نے کراس کیا تو جھٹکا سا محسوس ہوا، اُونگھنے والے بیدار ہوئے چھڑی گھماتے ایک صاحب خراماں خراماں چلے جا رہے تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے مجھ سے دریافت کیا کہ ہم کدھر جا رہے ہیں یہ کیسی آبادی ہے ——— ؟ میں نے عرض کیا یہ صاحب جو چہل قدمی فرما رہے ہیں ڈاکٹر محمد اسماعیل ہیں مرزا محمود کے ماموں جان۔ اور یہ سامنے دیکھئے منارۃ المسیح اور یہ ہے قادیان اتنے میں ہماری بس قادیان کی بستی میں داخل ہو چکی تھی۔ حضرت شاہ صاحب کی قادیان میں آمد کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی، مسلمان ہندو اور سکھ گھروں سے نکل آئے دُوسری طرف مرزائیوں کے ہاں بھی کھلبلی مچ گئی۔ مسلمانوں کو یوں محسوس ہوا جیسے انتیس کو عید کا چاند نمُودار ہو گیا ہو۔ چہل پہل شروع ہو گئی۔ تھانیدار دوڑا دوڑا ہانپتا کانپتا میرے پاس آیا کہنے لگا کیا غضب کیا ہے کسی کو کانوں کان خبر نہیں اور شاہ صاحبؒ بلا اطلاع قادیان پہنچ گئے ہیں؟ ارے بھئی افسران بالا کو ہم کیا جواب دیں گے۔ بیچارہ بوکھلا گیا تھا میں نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا؛ کوئی غضب نہیں ہوا بس اک ذرہ سا پروگرام ہے منہ ہاتھ دھو کر حضرت شاہ صاحبؒ چائے کی ایک پیالی پی لیں،

ابھی ایک آدھ گھنٹے میں تشریف لے جائیں گے گھبراؤ نہیں تھانے میں جاکر آرام سے بیٹھو بے چارہ بے وقوف بن کر چلا گیا۔ ایک گھنٹہ بعد پھر آگیا پوچھنے لگا شاہ صاحب جانے کے لئے تیار ہوگئے؟ میں نے کہا رات بھر کے جاگے ہوئے تھے سو گئے ہیں۔ ایک گھنٹہ آرام کرلیں گھبرانے کی بات نہیں وہ زیادہ دیر یہاں ٹھہریں گے نہیں چلے جائیں گے۔ تھانیدار منہ کھا کر پھر واپس چلا گیا مسلمانوں نے واقعی عید کی سی خوشی منائی ایک بکرا ذبح ہوا تنور گرم ہوگئے روٹیاں پکنے لگیں، عورتیں بچے بوڑھے اور جوان خوشی سے پھولے نہیں سماتے تھے۔ شاہ صاحب جب دس بجے کے قریب سو کر اٹھے تو تھانیدار صاحب پھر وارد ہوئے مجھ سے دریافت کیا تو میں نے تھانیدار کو بتا دیا کہ اب شاہ صاحبؒ واپس تشریف لے جانے سے قبل غسل فرمائیں گے تب جائیں گے۔ تھانیدار پھر واپس ہوگیا ایک گھنٹے بعد کھانا تیار ہوگیا تھانیدار آیا اور دیکھ کر چلا گیا اسے اطمینان ہوگیا کہ ایسے معزز مہمان کو کھانا کھلائے بغیر کون جانے دیتا ہے کھانے سے فارغ ہوئے تو میں نے اپنے ایک رضا کار کو بلایا اُسے کہا کہ ٹین کا کنستر بجا کر قادیان کے گلی کوچوں میں اعلان کر دو کہ ظہر کی نماز کے بعد حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری مسجد شیخاں میں ختم نبوت کے موضوع پر تقریر کریں گے اس اعلان سے قادیان میں ہڑبونگ مچ گئی۔ بھاگیو، دوڑیو، لیجیو، پکڑیو، پولیس الگ بھاگی پھرتی تھی۔ مرزائیوں کی سی آئی ڈی الگ پریشان ہو رہی تھی۔

قصرِ خلافت میں اہم میٹنگ

مجھے نہیں معلوم کہ مرزا محمود صاحب کے قصرِ خلافت میں کیا مشورہ ہوا مگر جو کچھ میرے سامنے آیا میری آنکھوں نے جو نظارہ دیکھا اس سے جو نتیجہ اخذ ہوسکتا تھا وہ یہی تھا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کو تقریر کا موقعہ نہ دیا جائے۔

حضرت شاہ صاحب کی تاریخی تقریر

اعلان کے فوراً بعد پولیس گارد مسجد شیخاں کے موڑ پر پہرا جما کر کھڑی ہوگئی اسے خیال یہ تھا کہ حضرت شاہ صاحب بازار کے سیدھے راستے مسجد میں تشریف لائیں گے مگر میں کسی اور فکر میں تھا چنانچہ میں نے حضرت شاہ صاحب سے عرض کیا کہ آپ میرے ساتھ آئیں میں آپ کو ایسے راستے سے لے چلوں گا کہ آپ کا جی خوش ہو جائے گا۔ میں انہیں مرزائیوں کے خاص محلے میں سے گزار کر سیدھا قصرِ خلافت کی جانب لے گیا مرزا محمود کے محل کے پاس سے ایک چھوٹی سی گلی سے نکل کر ہم مسجد شیخاں میں بخیریت پہنچ گئے۔ کس قدر خطرناک راستہ تھا مگر اللہ کا فضل

شامل حال تھا کسی شخص کو کوئی شرارت نہ سوجھی اور نہ کسی نے ہم سے تعرض کیا۔

حضرت شاہ صاحبؒ منبر پر کھڑے ہوئے تقریر سے پہلے قرآن پاک کی تلاوت شروع کی اتنے میں مرزائی رضاکار جن کے ہاتھوں میں لاٹھیاں تھیں مسجد میں داخل ہوئے قادیان کے ایک جیالے مسلمان نے مرزائیوں کے داخلے پر احتجاج کرنا چاہا مگر حضرت شاہ صاحبؒ نے اسے ڈانٹ کر خاموش کر دیا اور فرمایا یہ نوجوان ہمارے مہمان ہیں اور یہ خانۂ خدا ہے اس میں داخل ہونے پر کوئی پابندی نہیں ہے اس کے بعد مرزائی نوجوانوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ آؤ میرے عزیزو آگے آکر بیٹھو ہٹو بھئی ان کو جگہ دو وہ لوگ آگے آکر بیٹھ گئے۔ حضرت شاہ صاحب نے الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی کی آیت درد میں ڈوبی ہوئی آواز سے تلاوت کی اور اس کے بعد مسئلہ ختم نبوت پر مثبت انداز میں تقریر فرمائی، تقریر کیا تھی جادو تھا سحر تھا، پھولوں کی بارش ہو رہی تھی۔ تقریر کا ہر لفظ دل کی گہرائیوں میں اتر رہا تھا خدا جانے کیا ہوا حاضرین سانس بھی آہستہ لیتے تھے۔ شاہ صاحبؒ نے اس مسئلے پر سیر حاصل تبصرہ فرمایا۔ دورانِ تقریر وہ دریافت بھی کرتے گئے کہ مسئلہ ٹھیک طرح سے سمجھ میں آ گیا ہے سب لوگ مع مرزائیوں کے اقرار کر رہے تھے، جھوم رہے تھے فرطِ عقیدت سے بعض کی آنکھوں میں آنسو تھے تقریر کے بعد جب شاہ صاحب نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے تو مرزائی نوجوانوں نے ایک دوسرے کی جانب سوالیہ نگاہوں سے دیکھا مگر انہیں بھی ہاتھ اٹھا کر آمین کہنا پڑی اپنے عقیدت مندوں کے مجمع میں تقریر کر کے واہ واہ کرا لینا کچھ مشکل کام نہیں ہے مگر جو لوگ بدترین مخالف ہوں جو مخالفت کے ارادے سے آئے ہوں انہیں وجد میں لے آنا یہ وصف یہ ہمت اور حوصلہ خدا نے بخاریؒ کو دے رکھا تھا آہ وہ شیدائے رسولؐ وہ پیکرِ ایثار و محبت اب اس دنیا میں نہیں ہے ؎

وہ کیا گئے کہ روٹھ گئے دن بہار کے

اس ایک واقعہ سے مرزائیوں کا یہ پراپگنڈا کہ حضرت شاہ صاحب قادیان میں داخل ہوئے تو خون خرابہ ہوگا ختم ہوگیا حکومت کے پاس اس واقعہ کے بعد پابندی لگانے کا کوئی جواز نہ تھا کیونکہ حضرت شاہ صاحبؒ نہ صرف یہ کہ قادیان میں داخل ہوئے بلکہ وہ تو مرزائیوں کے اپنے محلے میں گھوم پھر گئے اور مجمع عام میں مسئلہ ختم نبوت پر دل کھول کر تقریر بھی کر ڈالی ؎

این سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد، خدائے بخشندہ

تحریر: ضیغمِ احرار جناب شیخ حسام الدین رحمۃ اللہ
استدراک: سید عطاء المحسن بخاری

میرے شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ

یہ کیا دستِ اجل کو کام سونپا ہے مشیّت نے
چمن سے توڑنا پھول اور ویرانے میں رکھ دینا

سید عطاء اللہ شاہ بخاری ایسے مقدس دور کی صدائے بازگشت تھے جس کا آغاز ۱۷۵۷ء کی جنگِ پلاسی (بنگال) سے ہوا۔ فرنگی مقامروں نے لالچ، سازش، مکر، فریب اور ظلم و استبداد کے ابلیسی ہتھکنڈوں سے سراج الدولہ کو شکست دی۔ اس شکست کا انتقام لینے کیلئے امیر حیدر علی اور سلطان ٹیپو میسور میں منظم ہوئے اور فرنگی کے دانت کھٹے کئے مگر وہی ابلیسی دیرینہ حیلے یہاں بھی فرنگی کی کامیابی کا ذریعہ بنے۔ ان حادثوں میں ملی زوال کے اسباب کبھی رونما نہ ہوتے اور فرنگی کبھی مسلمانوں کے اقتدار کا خاتمہ نہ کر سکتا۔ اگر بنگال و دکن کا رافضی عنصر دولت واقتدار کی دہلیز کو نہ چاٹتا اور غداری و سازش کی لعنت کا طوق اپنے گلے میں نہ ڈالتا۔ ان علقمی زادوں نے ذاتی مفادات کو قومی و ملی مفادات پر ترجیح دے کر ہندوستان کی تاریخ کا رخ موڑ دیا۔ انگریز ہندوستان پر تقریباً قابض ہو گیا ان کی اس رسوائے زمانہ شیعی پالیسی پر ترجمانِ اسلام علامہ اقبال مرحوم نے ذیل کا شعر کہہ کر انہی غدارانِ ملتِ اسلامیہ کو ابدی لعنت کا سزاوار ٹھہرا دیا

جعفر از بنگال و صادق از دکن
ننگِ ملت، ننگِ دیں ننگِ وطن

ان رافضیوں، تبرائیوں اور علقمی زادوں کی سلگائی ہوئی منافقت و ملت فروشی کی آگ مغل خانوادے کے آخری تاجدار سراج الدین ظفر کے نابالغ شہزادوں کے سر ناشتہ خوان پر سجا کے جلائی گئی ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کو جہاد کے فتووں سے تیز تر کرنے والے علماء، مصلح، عوام، مسلمان اور ہندو بھی مولانا احمد اللہ شاہ، جنرل بخت خان، تیتو میر رحمہم اللہ اور تانتے شاہ کی کمان میں اس کو بجھاتے بجھاتے

شمع کی مانند خود بھی جل بجھے۔

فرنگی استبداد کا دیو خبیث جب رافضیوں کی ملی بھگت سے مسلمان مجاہدوں کے سروں کی فصل کاٹتے کاٹتے اکتا گیا تو فرنگی استعمار نے سزاؤں کا رخ بدل کر جا بیداد کی ضبطیوں، کالے پانیوں میں عمر قید کی ذلیل پالیسی سے انسانیت کی تذلیل اور مسلم دشمنی پر مہر ثبت کر دی۔ رافضی نوابوں اور جاگیرداروں نے فرنگی اقتدار کے مار حسیم کو اوک سے پیا اور سرکاری سرپرستی میں عوامی زندگی میں زہر گھولنا شروع کر دیا تو حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی امام الہند بن کر ابھرے اور فرنگی اور اس کے گماشتوں کا قلع قمع کرنے کی ٹھانی احمد شاہ ابدالی شاہ ولی اللہ کے خوابوں کی تعبیر بن کر ہندوستان میں وارد ہوا اور مسلمانوں کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو کنارے لگا گیا۔ حالات نے پھر منفی رخ اختیار کیا اور شاہ ولی اللہ ان فرنگی گماشتے رافضیوں کے ہاتھوں شہید ہو گئے تو شاہ عبدالعزیز، سید احمد شہید نے ان کی خالی جگہ پر کی اور اس تحریک کو جہاد و ہجرت کا نیا رخ دیا اور عملی جدوجہد اپنے دوسرے عوامی ارتقائی دور میں داخل ہو گئی پھر کچھ عرصہ بعد مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی نے اپنے مقدس اسلاف کی جہاد اسلامی کی عملی ریت کو تازہ کیا۔ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اور ان کے عظیم رفقاء نے انگریزوں اور ان کے رافضی گماشتوں کے دانت کھٹے کئے اور فتح و شکست کے بین بین جہاد جاری و ساری رکھا۔ عملی زندگی میں وطنی غلامی پسند لوگ کی بدنہادی سے تنگ آ کر تحریکی ذہن تیار کرنے کی نئی راہ کھولی اور دیوبند کے مدرسہ کی نیو اٹھائی پھر اس مدرسہ فکر نے احیاء دین کی تحریک کے مجاہد مولانا محمود حسن اموی قریشی کی امامت میں اس جہاد کا آغاز کیا تو فرنگی اور فرنگی زادوں سے عوامی انتقام کی آگ نے پورے ہندوستان کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ مولانا اپنے جیالے رفقاء کی سرپرستی کرتے ہوئے مالٹا میں اسیر ہو گئے۔ پھر جب مولانا رہا ہوئے تو زمانہ کروٹ بدل چکا تھا

چھٹے اسیر تو بدلا ہوا زمانہ تھا
وہ شاخ ہی نہ رہی جس پہ آشیانہ تھا

جہادِ حریت نے لوگوں کو تھکا دیا تھا۔ مسلمانوں میں سیاسی انتشار عروج پر تھا اور انگریز کی وفادار جماعت کانگرس اور مسلم لیگ نے عوام میں فرنگی سرکار کی مفاہمت کے جذبہ کو عملی زندگی میں قومی و ملی زندگی کا بنیادی پتھر بنا دیا تو یہ ایک حلقۂ یاراں مختلف ٹولیوں میں بٹنے لگا۔ وڈیروں، جاگیرداروں کا ٹوڈی طبقہ سر آغا خان، نواب وقار الملک، سر سلیم اللہ وغیرہ کی پاتو جماعت مسلم لیگ اور یونینسٹ پارٹی

بنا کر قومی مجاہدوں کی مخبری کے فرائضِ منصبی ادا کرنے پر قانع ہو گیا۔ علماء بھی دو حصوں میں بٹ گئے کچھ کانگرس میں دیوی درشن پر راضی ہو گئے اور گاندھی کی جھوٹی اہنسا کی بھینٹ چڑھ گئے۔ اور کچھ فرنگی گماشتوں کی پیش کردہ آسائشوں و زیبائشوں کی نذر ہو گئے۔

۱۳۳۹ھ میں مولانا محمود حسن اُموی قریشی اللہ کو پیارے ہو گئے تو ہندوستان کی بساطِ جہاد بساطِ سیاست بن کے رہ گئی۔ اس پورے ہندوستان میں اگر کچھ لوگ باقی رہ گئے تھے تو وہ تھے۔

مسیح الملک حکیم محمد اجمل خان	ڈاکٹر مختار احمد انصاری
علی برادران (محمد علی، شوکت علی)	مفتی کفایت اللہ
مولانا حسین احمد مدنی	مولانا ابو الکلام آزاد
مولانا احمد سعید دہلوی	مولانا عبد الباری فرنگی محلی
مولانا عبد الحامد بدایونی	مولانا فاخر الہ آبادی
مولانا عبد القادر قصوری	مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی
مولانا سید سلیمان ندوی	تصدق حسین شروانی
رفیع احمد قدوائی	حفظ الرحمٰن سیوہاروی
مولانا محمد داؤد غزنوی	مولانا محی الدین اجمیری
ظفر علی خان	ڈاکٹر سیف الدین کچلو

اور امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہم اللہ رحمۃً واسعۃً

ہمارے شاہ جی ان تمام باوقار و بلند مرتبہ متقدمین سے متاخر ہونے کے باوجود جہادِ آزادی کی بساط پر اس شان و تمکنت سے جلوہ گر ہوئے جیسے ظلمتوں اور گھٹا ٹوپ اندھیروں میں ماہتاب! دیکھتے ہی دیکھتے امرتسر کے کوچۂ جیل خانہ کی مسجد کا امام ۱۳۳۵ھ کے مجاہدین سے لے کر مولانا محمود حسن تک کے قافلۂ حریت کا آخری سپہ سالار بن گیا اور وادیٔ عرب کے ریگزاروں میں گھن گرج کی جو آوازیں کبھی گونجا کرتی تھیں وہ ہندوستان میں ہمالہ سے سلہٹ اور کراچی سے جلال آباد تک گونجنے لگیں وہی مبارزت، وہی رجز خوانی، وہی لحنِ داؤدی میں تلاوتِ قرآن اور وہی معرکہ آرائی

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم   رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد بخاری

خلوص وللّٰہیت، وفا وثابت قدمی، قربانی وایثار، جفاکشی وجوار، ہمتی جیسی صفاتِ عالیہ میں شاہ جی اپنے اسلاف کی مکمل تصویر تھے۔

شاہ جی مدرسہ نصرۃ الحق میں حضرت مفتی غلام مصطفیٰ قاسمی اور مدرسہ نعمانیہ مسجد خیر الدین ہال بازار میں موقوف علیہ تک پڑھ چکے تھے جب ۱۹۱۹ء کی سیاہ اپریل میں جلیانوالہ باغ میں کرنل اڈوائر نے خونی ڈرامہ کھیلا امّتِ مسلمہ میں اس وحشت و بربریت اور سفاکی کے خلاف اجتماعی ردِّ عمل نے ملک بھر کے مجاہدین اور سیاست دانوں کو حصہ لینے پر مجبور کر دیا تو شاہ جی کو میں نے پہلے پہل بندے ماترم ہال کے ایک قومی اجتماع میں دیکھا۔

اپریل ۱۹۱۹ء کے مارشل لاء میں مظالمِ جلیانوالہ باغ کی تحقیقات کیلئے سرکاری وغیر سرکاری کمیشن بیٹھے اور اسی سال دسمبر کے آخری ہفتہ میں خلافت، مسلم لیگ اور کانگرس کے مشترکہ اجلاس منعقد ہوئے اور مارشل لاء کے تمام قیدیوں کو رہائی ملی اور حکومت ہند کی مرضی کے علی الرّغم علی برادران، مولانا حسرت موہانی، مولانا ابو الکلام آزاد، مولانا ظفر علی خاں کو بھی اجتماع میں شمولیت کے لئے بروقت آزاد کر دیا گیا جن کو خوش آمدید کہنے اور جن کے استقبال کے لئے گویا پورا ہندوستان اُمڈ آیا تھا اجلاس بندے ماترم ہال میں تھا اور قائدین کی آمد سے پہلے ہال میں تِل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ شاہ جی بھی ان قومی قائدین کی زیارت کرنے اور ان کی باتیں سننے کیلئے محویت کی تصویر بنے بیٹھے تھے ان دنوں شاہ صاحب اصلاح الرسوم اور اصلاح عقائد پر ہی وعظ کہتے تھے بعد میں شاہ جی سے سنا کہ "جو کچھ میں مولانا نور احمد سے تفسیر جلالین میں پڑھتا وہی جمعہ اور مواعظ میں سنا دیتا تھا۔"

شاہ جی دوستوں کی محفلوں میں بذلہ سنجی، لطیفہ گوئی شعر وادب کی مجالس میں دیکھے جاتے تھے۔ حکیم طغرائی کی بیٹھک پر روزانہ مجمع احباب ہوتا جن میں سید محمد مقیم بخاری جو آپ کے ددھیالی ونتھیالی عزیزوں میں سے تھے۔ حکیم ظہیر الدین صہبائی، حفیظ جالندھری اور بہت سے لوگ جو امرتسر کی ادبی زندگی کی روح و جاں تھے۔ شاہ جی ان میں بیٹھتے اُٹھتے۔ شعری وادبی ذوق ان کا منجھا ہوا زبان محاورہ ان کی ننھیالی وراثت تھی کہ شاد عظیم آبادی جیسا بلند آدمی بھی محاوراتی زبان کی اصلاح کے لئے ان کی نانی اماں کے حضور حاضری دیتا تھا انہی دنوں چونکہ وعظ و تقریر سے آپ کو قبولیتِ عام کا درجہ حاصل ہو رہا تھا تو مولانا داؤد غزنوی نے شاہ جی میں وہ جوہر پایا جو اس وقت کے دینی تقاضوں کے لئے بہت اہم تھا۔ انہوں نے شاہ جی کو قومی معاملات

ومسائل کے اجلاس اور جلسوں میں دعوت دینا شروع کی تو شاہ جی خلافت کمیٹی کے سٹیج پر مسلمانوں کی آواز بن کر چمک اُٹھے پھر خلافت کمیٹی کے بزرگ مولانا عبدالقادر قصوری سے مشورہ اور حکم سے شاہ جی کو ضلع گجرات میں خلافت کمیٹیوں کی تشکیل کی ذمہ داری سونپی گئی۔ شاہ جی نے بے پناہ جدوجہد سے ضلع گجرات میں دو سال کی جانکاہ محنت سے ساڑھے تین ہزار خلافت کمیٹیاں قائم کیں مسلمانوں کے دو اسکول بنائے۔ وکلاء کو کچہری سے وکالت چھڑوائی۔ برطانوی ہند کے نظام تعلیم میں جکڑے ہوئے اسکولوں سے کئی اساتذہ نے شاہ جی کی تقریر سن کر ریزائن کر دیا۔ مارچ ۱۹۲۱ء میں مسجد خیرالدین کے ایک جلسہ عام میں حضرت شاہ جی نے تقریر کی اور برطانوی سامراج کی دھجیاں اڑا دیں۔

شاہ جی پر مظلوم ترکوں کی بربادی، خلافت عثمانیہ کا عبرتناک زوال ٹوڈی مسلمانوں کی بے حمیتی علماء سو کی مداہنت کا بہت برا اثر تھا اس پر جلیانوالہ باغ میں فرنگی کے وحشیانہ مظالم نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ مولانا آزاد کا الہلال، مولانا ظفر علی خاں کا ستارۂ صبح نے ان کی سمت متعین کر دی۔ ان سارے جذبات کا اخراج اس تقریر میں ہوا۔ تقریر ایسی تھی کہ امرتسر ہل گیا لوگ آمادۂ جہاد نظر آ رہے تھے۔ اس تقریر کی پاداش میں آپ گرفتار ہوئے۔ مقدمہ چلا اور آپ کو تین سال قید با مشقت سزا ہوئی اور آپ میانوالی جیل بھیج دیئے گئے۔ پھر ریل اور جیل کا یہ لامتناہی سلسلہ چل نکلا جو تیس برس پر محیط ہے۔ قومی و دینی معاملات کا وہ کون سا مسئلہ ہے جس میں شاہ جی نہیں کودے جہاں بھی نارِ نمرود کا الاؤ جلا یہ براہیم صفت سید عطاءاللہ شاہ بخاری اس کے عزبدر کو خاک میں ملانے جھپٹ پڑا ایسا کبھی نہیں ہوا کہ امت پر مشکل پڑی ہو اور شاہ جی عام علماء کی طرح تماشا دیکھتے رہے ہوں۔ وہ ابوعبیدہ بن الجراحؓ اور خالد بن ولیدؓ کی طرح لشکر غنیم پر جھپٹتے اور بینترا بدل بدل کر حملہ کرتے اور کبھی نہ تھکتے جس طرح صحابہ فرمایا کرتے تھے۔

باللیل رھبانًا وبالنھار فرسانًا

ہم راتوں کو راہب ہوتے ہیں اور دن میں گھوڑوں کی پشت پر

شاہ جی رات بھر تقریر کرتے قرآن بیان کرتے۔ عشاء کی نماز پڑھ کے تقریر شروع کی اور صبح کی نماز پڑھ کے ستائے پھر اگلے پڑاؤ کے لئے روانہ ہو گئے۔ ع

صبح تو اندر قرن شام تو اندر یمن

مرے نزدیک شاہ صاحب وہ منفرد زعیم تھے جو اس عرصۂ جہاد میں امراء کی کوٹھیوں میں کبھی کبھار

اور غربا کی جھونپڑیوں میں اکثر قیام کرتے اور جو راحت و آرام وہ جھونپڑیوں میں محسوس کرتے وہ کہیں پاتے اور شاید اس خصوصیت میں اپنا ثانی نہیں رکھتے ان سے زیادہ کسی قومی کارکن نے سفر نہیں کیا۔ ریل بس، گھوڑا، اونٹ، خچر، گدھا، بیل، پیدل، تیر کر کوئی سا ذریعۂ سفر ایسا نہیں جو آزادی، حریت، عدل مساوات، اخوت اور ختم نبوت کے مشن کی تکمیل کے لئے شاہ جی نے اختیار نہ کیا ہو۔ ان مذہبی جاہ داروں کی طرح نہیں جو زادِ سفر اور وسیلۂ سفر نہ ملنے پر تبلیغ و وعظ کی مجالس اور قومی ملکی مسائل کے اجلاس برباد کر دیتے ہیں اور پھر مکروہ تاویلات سے جماعتوں اور دینی کارکنوں کا منہ بند کر دینے کے فن خبیث میں مہارت تامہ رکھتے ہوں۔ شاہ جی فرمایا کرتے تھے وعدہ کر لیا ہے تو نبھاؤ ورنہ اللہ کو کیا منہ دکھلاؤ گے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ دینی و قومی کاموں میں غفلت اللہ کے ہاں مسئولیت کا سبب ہے۔

دامانِ نگہ تنگ و گل حسنِ تو بسیار

گل حسنِ تو از تنگیٔ داماں گلہ دارد

حضرت شاہ صاحب کی حیاتِ طیبہ کے کن کن محاسن کو قارئین کے سامنے پیش کیا جائے مغربی سیاست کے مد و جزر میں وہ کون سا مقام آیا جہاں قلبِ صادق کے لئے کلمۂ حق کو اونچی سے اونچی آواز میں بلند کرنے کی ضرورت ہوئی اور بہار اشتیر نتائج سے یکسر بے نیاز ہو کر وقت کے فرعونوں اور نمرودوں سے نبرد آزما ہونے کے لئے سب سے ملیشہ مقام پر نہ دیکھا گیا ہو۔ جنگِ آزادی ہو یا فرنگی کی اسلام دشمن حکمتِ عملی کے خلاف جہاد سید کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموس پر حملوں کے خلاف سینہ سپر ہونا ہو یا بانیانِ مذاہبِ حق کی عزت کا قانونی تحفظ۔ شاہ جی کا عمل سرخروئی کے لباس میں سب سے زیادہ افضل، اعلیٰ اور روشن نظر آتا ہے۔ راج گوپال والی تحریک ہو یا مغلپورہ ایجی ٹیشن، کوئٹہ کے مفلوک الحال زخمی انسانوں کی خدمت اور امداد ہو یا کشمیر کے بے کس مظلوم مسلمانوں پر ڈوگرہ شاہی کے مظالم ردِ مرزائیت ہو یا تحفظِ ختمِ نبوت کے لئے جان کی بازی غرضیکہ ہر مقام و ہر منزل پر حضرت شاہ صاحب قافلہ سالار کی حیثیت میں رجز خوانی و ھل من مبارز کے نعرے لگاتے ہوئے ملے اور ساتھیوں اور جاں بازوں کے مقابلہ میں زیادہ سے زیادہ سزا کو ہنستے ہوئے قبول کرتے نظر آئے۔ چنانچہ جاں بازی و سرفروشی کے اس پیکر پر ایک شاعر کا یہ شعر کس قدر موزوں و برجستہ نظر آتا ہے۔

این است کہ خوں خوردہ دل بردہ بے را — بسم اللہ اگر تاب سخن ہست کسے را

شاہ جی کی وفات:

شاہ جی کی موت ایک شخص کی موت نہیں بلکہ ایک عہد کی موت ہے بصرف ایک عہد نہیں ایک مقدس عہد کی موت ہے۔ جس عہد کے آتش بجاں حق پرستوں نے حق کا آفتاب طلوع کرنے کے لئے اپنی حیات مستعار کی تمام توانائیاں اور رعنائیاں رہِ حق کو نکھارنے کے لئے نثار کردیں۔ یہی وہ لوگ تھے کہ جن کی قربانی وجاں فشانی سے برطانوی سامراج اپنے تمام تر جبر و استبداد کی فراوانی کے باوجود اپنی جگہ چھوڑنے پر مجبور ہو گیا اور ہٹتے ہٹتے ملک چھوڑ کر چلا گیا۔

انگریز کو ملک سے نکال باہر کرنے میں شاہ جی کا حصہ احمد اللہ شاہ، جنرل بخت خاں، سید احمد شہید اور شاہ اسمٰعیل شہید کے مساوی نہیں تو کم بھی نہیں۔ حق مغفرت کرے شاہ جی کو جنہوں نے احرار ساتھیوں میں زندہ رہنے کا شعور پیدا کیا اور دشمن سے پنجہ آزمائی کا حوصلہ بخشا اور دین کے لئے تن من دھن قربان کرنے اور مر مٹنے کا سچا جذبہ پیدا کیا۔

احرار آج بھی قومی، ملکی اور دینی مشکلات سے نبرد آزما ہونے کے لئے شاہ جی کی زندگی کو منزل کا سنگِ میل سمجھیں اور اس وادی میں اُتر پڑیں۔ ۵

ویراں ہے میکدہ خم و ساغر اداس ہیں
تم کیا گئے کہ رُوٹھ گئے دن بہار کے

نتیجہ مقابلۂ مضمون نویسی

حلقۂ اربابِ قلم ملتان کی طرف سے مقابلہ مضمون نویسی بہ عنوان "امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ" ع "قبلۂ اہلِ نظر نقشِ قدم تھے جس کے" کا اعلان کیا گیا تھا۔ اس مقابلہ میں انعام حاصل کرنے والوں کے نام درج ذیل ہیں: اول: جناب حافظ صفوان محمد بہاولپور، دوم: جناب محمد افضل خان۔ ملتان، سوم: جناب محمد عباس آزاد، کوٹ قیصرانی

اول انعام /۵۰ روپے نقد، ایک سال کیلئے نقیبِ ختمِ نبوۃ کا اجراء، شاہ جی کی جماعت مجلس احرار اسلام کا مکمل لٹریچر
دوم انعام /۳۰ ،، ،، ،،
سوم انعام /۲۰ ،، ،، ،،
(یہ تمام انعامات پوزیشن حاصل کرنیوالے طلبہ کو روانہ کر دیئے گئے ہیں)

سید محمد ذوالکفل بخاری معتمد حلقۂ اربابِ قلم دار بنی ہاشم ملتان

حکیم محمود احمد ظفر سیالکوٹ

باتیں شاہ جیؒ کی

برصغیر پاک و ہند میں جب بھی "شاہ جی" کا لفظ بولا جاتا ہے تو سننے والا فوراً سمجھ جاتا ہے کہ اس سے مراد امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ ہیں کیونکہ یہ لفظ ان کے لیے مختص ہو گیا ہے۔ شاہ جی کے اور بھی کئی القاب تھے" بابا ڈنڈے والا"، "احرار کا بوڑھا جرنیل" وغیرہ وغیرہ لیکن "شاہ جی" کے لقب نے جو شہرت پائی وہ کسی اور لقب کو حاصل نہ ہو سکی۔ اس برصغیر میں آپ کی شہرت کی کئی وجوہات ہیں لیکن سب سے بڑی وجہِ شہرت آپ کی خطابت تھی۔ ہندو پاک کے ہر قریہ اور ہر شہر میں اس خطیبِ اسلام کی آوازِ خطابت گونجی اور چشمِ فلک نے یہ نظارا بھی دیکھا کہ ان کی آواز پر مردوں نے اپنی جانیں اور عورتوں نے اپنے زیورات نچھاور کر دیئے۔ شاہ جی اپنے وقت میں خطابت کے بادشاہ بلکہ خاتم تھے۔ ماضی مرحوم میں بھی ایسے لوگ خال خال تھے اور مستقبل سلمہ میں تو امیدیں ہی بانجھ ہو گئی ہیں۔ شاہ جی کی خطابت میں شیر کی گرج اور نسیمِ سحر کی سبک خرامی کا بہترین امتزاج تھا۔

قاری محمد طیب صاحب قاسمی قدس سرہٗ مہتمم دارالعلوم دیوبند نے ایک مرتبہ شاہ جی کی خطابت کے بارہ میں فرمایا تھا۔

"ان کا مشہور زمانہ وصف جس میں وہ بے مثال تھے خطابت تھا۔ ان کی خطابت جاذبیت کا ایک جادو تھی جس میں بے پناہ کشش تھی۔ ہزاروں انسانوں کا مجمع جو تاحدِ نظر پھیلا ہوا اور ان کی تقریر کی مسلسل زنجیر میں جکڑا ہوا محسوس ہوتا تھا جس میں کسی کا اکتا کر اٹھ جانا تو کیا معنی کوئی اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں سکتا تھا۔ ان کی تقریر اُسے جکڑ کر باندھ لیتی تھی اور کیا مجال کہ کوئی شخص اپنی توجہ کو بھی اُن سے ہٹا سکے۔"

"یہ کشش محض الفاظ کی نہ تھی اور الفاظ محض میں یہ جاذبیت ہو بھی نہیں سکتی جب تک کہ الفاظ گہری معنویت نہ ہو اور محض معنویت بھی زنجیرِ کشش نہیں بن سکتی جب تک اس معنویت میں یہ

نہ ہو۔ اور محض معنویت بھی کشش کے اس مقام پر نہیں پہنچ سکتی جب تک کہ اس میں محبّت نہ ہو۔ اس لئے میں کہہ سکتا ہوں کہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری بے مثال خطیب ہونے کے ساتھ صاحبِ معنویت، صاحبِ معرفت اور صاحبِ عشق و محبت تھے۔ بالفاظ دیگر وہ محض لسان نہ تھے بلکہ صاحبِ دل انسان تھے۔ محبّت نبوی ان کے دل کے رگ و پے میں سمائی ہوئی تھی۔ اسی سے ان کے جوش کا تعلق تھا اور اسی سے ہوش کا اور اسی سے ان کی خطابت کا چشمہ ابلتا تھا جس میں دوسروں کے دلوں کی رگ و پے میں سما جانے کی خصوصیت ہوتی تھی۔

ایک خطیب کے لئے ذہین ہونا بھی ضروری ہے چنانچہ شاہ جی کو ذہانت میں بھی حظ وافر عطا فرمایا تھا۔ چھوٹے چھوٹے فقرے جہاں شاہ صاحب کی طباعی اور ذہانت کی غمازی کرتے تھے وہاں وہ بہت سی حقیقتوں اور صداقتوں کو بھی اجاگر کرتے اور ایک فہیم انسان اُس چھوٹے سے فقرے سے ہی مسئلہ کی گہرائی اور گیرائی کو سمجھ جاتا۔ ان سطور میں شاہ صاحب کے اُن شہ پاروں کو پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہوں جن میں انہوں نے بڑی بڑی حقیقتوں کو چند لفظوں اور جملوں میں بیان کر دیا ہے۔ ان میں بعض وہ مجاہدانہ جملے بھی ہیں جو تیرگی سے الجھتے اور ستاروں سے کھیلتے ہیں جن میں کچھ داستانِ حرم کے ٹکڑے اور کچھ نعرۂ حق کی لے نوازی کے فقرات ہیں۔

جیل خانے کی آبرو :

ایک مرتبہ فرمایا کہ میں دنیا میں ایک چیز سے محبت کرتا ہوں اور وہ ہے قرآن۔ اور مجھے صرف ایک چیز سے نفرت ہے اور وہ ہے انگریز۔ میں سمجھتا ہوں کہ زندگی کے تجربوں اور مشاہدوں نے میرے ان دو جذبوں میں بلا کی شدّت اور حرارت پیدا کر دی ہے۔ محبت اور نفرت کے یہ دو زاویے ایسے ہیں کہ جن دماغوں میں ان کا سودا ہو ان کے لئے پابہ زنجیر ہندوستان میں جیل خانہ زندگی کے سفر کا ایک ایسا موڑ ہے جہاں کبھی طلب کے خیال سے رکنا پڑتا ہے، کبھی فرض کی کشاکش لے آتی ہے اور کبھی جستجوئے منزل کا تقاضا پہنچا دیتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اب جیل خانے کی "آبرو" پر بوالہوسوں نے یورش دستی شروع کی ہوئی ہے اور ؎

جو بادہ کش تھے پرانے وہ اُٹھتے جاتے ہیں

لیکن ۱۹۲۱ء کی تحریک خلافت کے زمانۂ قید و طلب پر غور کرتا ہوں تو لگتا ہوں میں ایک تصویر سی

پہنچ جاتی ہے۔ میانوالی ڈسٹرکٹ جیل میں احباب کی ایک یادگار بزم، سب اہل ذوق، اہل نظر، اہل دل اور اہل علم جمع تھے۔ مولانا احمد سعید دہلوی حدیث پڑھایا کرتے۔ عبدالمجید سالک دربار اکبری کا سبق دیتے، مولوی لقاء اللہ کی بنی تلی باتیں گفتگو میں رس پیدا کرتیں۔ صوفی اقبال پانی پتی کے "اشغلے" خدا کی پناہ! — عبداللہ چوڑی والے کی ٹکسالی گالیاں تبرک کی طرح تقسیم ہوتیں اور آصف علی کھلتے تو پھولوں کے تختے بچھ جاتے۔ جی خوش کرنے کے لئے مشاعروں کا اہتمام ہوتا۔ کبھی سالک صدر ہوتا کبھی آصف اور کبھی ؎

قرعہ فال بنام من دیوانہ زدند

اختر علی خاں نے ایک دفعہ معرکہ کی غزل سنائی۔ سب لوٹ پوٹ ہو گئے۔ میرا ماتھا ٹھنکا۔ کچھ یاد سا آ گیا۔ میں نے اختر سے کہا۔ میاں مقطع کہو۔ وہ کسی قدر جھینپا۔ میں نے کہا تو پھر مجھ سے سنو۔ مقطع تھا ؎

جو مے کشی سے ہو فرصت تو دو گھڑی کو چلو
امیر مسجد جامع میں آج امام نہیں (امیر مینائی)

تین چیزوں پر ایمان :

شاہ جیؒ اکثر فرمایا کرتے تھے "خدا کی عبادت، رسول کی اطاعت اور انگریز سے بغاوت یہ میرا ایمان ہے اور رہے گا۔ خدا معبود ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محبوب اور انگریز مغضوب خدا کو جو جی چاہے کہو اس کا محاسبہ وہ خود کرے گا مگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق سوچ لینا۔ یہ معاملہ عقل و خرد کا نہیں ہے عشق کا ہے۔ عشق پر زور نہیں ہوتا نہ اپنے پر اختیار۔ یہ نہیں سوچا جائے گا کہ قانون کیا کہتا ہے۔ پھر جو ہونا ہوگا ہو جائے گا اور جو ہوگا دیکھا جائے گا۔

با خدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار

صرف قرآن کی ضرورت :

شاہ جی فرمایا کرتے تھے کہ میں قرآن مجید کے علاوہ کوئی دوسری کتاب پڑھنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا ہوں۔ جو کچھ ہے قرآن و سنت میں ہے اور جو کچھ اس کے باہر ہے وہ باطل ہے اور ایک باطل شئے کے مطالعہ کے لئے میرے پاس وقت نہیں ہے۔ اگر آج دنیا قرآن کو چھوڑ کر دوسری کتابوں

کی طرف نگاہ کر سکتی ہے تو میں کیوں نہ دوسری کتابوں سے روگردانی کر کے اپنی تمام تر توجہ قرآن پر مرکوز کروں۔ میں تو قرآن کا مبلغ ہوں۔ میری باتوں میں اگر تاثیر ہے تو وہ صرف قرآن کی وجہ سے ہے۔ جو چیز مجھے قرآن سے الگ کر دے اُسے آگ لگا دو۔

قرآن کی بلاغت:

ایک موقع پر فرمایا:

"اللہ کی کتاب کی بلاغت کے صدقے جایئے۔ خود بولتی ہے کہ میں محمد پر اتاری گئی ہوں، بابو اس کی قسمیں نہ کھایا کرو۔ اس کو پڑھا کرو۔ سید احمد شہید اور شاہ اسمٰعیل شہید کی طرح نہ سہی۔ اقبال کی طرح ہی پڑھ لیا کرو۔ . . . دیکھا آپ نے کہ اُس نے قرآن کو ڈوب کر پڑھا تو مغرب کی دانش پر لعنت بول دیا۔ پھر اُس نے قرآن کے سوا کچھ دیکھا ہی نہیں وہ تمہارے بت کدہ میں اللہ اکبر کی صدا ہے" ؎

گر تو می خواہی مسلمان زیستن
نیست ممکن جز بقرآن زیستن

منکرینِ بشریت:

ایک موقع پر منکرینِ بشریت کو جواب دیتے ہوئے فرمایا:

"بھائی لوگو! آپ کے کبوتروں کی بھی نسل ہو اور بٹیروں کی بھی، لیکن ہم ایک سید ایسے ہیں کہ جن کی نسل نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تم بشر نہیں مانتے تو ہم کس کی اولاد ہوئے؟"

مدحِ صحابہؓ:

جن دنوں مدح صحابہ اور تبرا ایجی ٹیشن کا زور تھا تو شاہ جی نے دہلی دروازہ کے باہر ایک عظیم الشان اجتماع سے خطاب فرمایا۔ اور گرجدار آواز میں فرمایا۔ قدح صحابہ کرنے والو! خدا سے ڈرو۔ اتنے میں دور سے ایک آواز آئی۔ شاہ جی خدا کا خوف کرو۔ سید ہو کر خلافت کے غاصبوں (معاذ اللہ) کی مدح کرتے ہو۔ بس اس جملے سے شاہ جی جلال میں آگئے۔ چہرہ تمتما اٹھا۔ پھر بلند آواز میں فرمایا۔ میں علی کا بیٹا ہوں اور صدیق، عمر اور عثمان کی مدح کرتا ہوں اور آئندہ بھی کرتا رہوں گا۔ تم کون ہو؟ ہائے وہ لوگ جنہیں رسول کے پہلو میں جگہ ملی ہے تم انہیں گالی دیتے ہو۔ ظالمو حشر کے دن آقا کو کیا جواب دو گے؟

پھر اس کے بعد صحابہ کے فضائل اور مناقب پر وہ تقریر کی کہ کائنات ہمہ تن گوش ہو گئی اور صرف بخاری کے قلندرانہ الفاظ ہی سنائی دیتے تھے۔

ازواج مطہرات اور اہل بیت:

۱۹۵۲ء میں مظفر علی شمسی جیل سے انکوائری کمیٹی میں بیان دینے کے لئے آئے۔ بیان دے کر جب واپس گئے تو شاہ جی نے پوچھا شمسی! کیا کیا سوالات ہوئے۔ شمسی نے ایک سوال یہ بھی بتایا کہ مجھ سے پوچھا گیا تھا کہ کیا تم ازواج مطہرات کو اہل بیت نبوت میں شمار کرتے ہو۔ شاہ جی نے پوچھا۔ اس سوال کا تم نے کیا جواب دیا۔ مظفر علی شمسی نے کہا کہ میں نے جواب دیا کہ ہم اُن کو اہل بیت میں شمار نہیں کرتے یہ سننا تھا کہ شاہ جی جلال میں آ گئے اور فرمایا ؎

اہل گلشن کے لئے بھی باب گلشن بند ہے
اس قدر کم ظرف کوئی باغباں دیکھا نہیں

سیدہ خدیجہؓ اور سیدہ عائشہؓ:

ایک دفعہ غالباً مظفر علی شمسی ہی نے دریافت کیا کہ خدیجہؓ اور عائشہؓ میں کیا فرق ہے؟ شاہ جیؒ نے فرمایا:

"خدیجہ کا نکاح محمد بن عبد اللہ سے ہوا اور عائشہ کی شادی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئی۔ وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زوجہ ہیں اور یہ نبوت کی زوجہ ہیں"

قبور کی زیارت:

ایک مرتبہ درگاہ امام ناصر جالندھر کے جلسہ میں کسی نے اس وقت کا اختلافی مسئلہ چھیڑ دیا۔ مخالفوں نے شاہ جیؒ کے بارہ میں مشہور کر رکھا تھا کہ وہابی ہیں۔ چنانچہ آپ سے سوال کیا گیا کہ آپ کا زیارت قبور کے بارہ میں کیا خیال ہے؟ شاہ جیؒ نے فرمایا،

"اپنے اپنے ظرف اور ذہن کی بات ہے۔ کچھ لوگ انگور نعمتِ خداوندی سمجھ کر کھاتے ہیں۔ کچھ اس میں شراب نکالتے اور عقل کی بازی بدلتے ہیں۔ میں بھی مزار کی زیارت کر کے آیا ہوں اور تم بھی کرتے ہو۔ میں خدا کے فضل سے کچھ لے کر آیا ہوں اور تم ایمان میں سے کچھ دے کر آئے ہو۔"

سبو اپنا اپنا ہے جام اپنا اپنا

قوم کی نفسیات:

شاہ جی عام طور پر فرمایا کرتے تھے میں نصف صدی اس ملک کے چپے چپے پر پھرا ہوں۔ میری قوم کی نفسیات یہ ہے کہ یہ ڈنڈے والے کے آگے اور دولت والے کے پیچھے بھاگتی ہے۔

اذہانِ یورپ کے لطف وکرم کا نتیجہ:

ایک مرتبہ علی گڑھ یونیورسٹی میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

"میں یو۔ پی کی سرزمین میں پہنچا تو میں نے اکثر لوگ ایسے دیکھے جو کالی اچکن اور سفید پاجامے پہنے ہوئے تھے مگر سروں پر انگریزی ٹوپی (ہیٹ) اور گلوں میں نکٹائیاں لٹک رہی تھیں، تو میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں غاصب یورپ کی سرزمین میں پھر رہا ہوں یا کہ غلامی کی زنجیروں سے گلو خلاصی حاصل کرنے والوں کی سرزمین میں آیا ہوں تو یکایک میرے ذہن نے میری یاوری کرتے ہوئے بتایا کہ ان کے حسب ہم تو آزادی کے پرستاروں میں پلے ہیں لیکن اذہانِ یورپ کے لطف وکرم کا نتیجہ ہیں"۔

روس کی کتیا:

شاہ جیؒ چند احباب میں بیٹھے ہوئے تھے۔ موضوعِ سخن تھا خلائی سائنس کی ترقی۔ ایک دوست نے کہا۔ "شاہ جیؒ! سنا ہے کہ روس کی کتیا واپس آگئی ہے۔ شاہ جیؒ نے فرمایا۔ بھائی شکر کرو کہ تمہاری عزت و ناموس رہ گئی ورنہ اوپر والی مخلوق کو یہی گمان ہوتا کہ نیچے ایسی ہی مخلوق بستی ہے۔

نظامِ اسلام کی خوبیاں:

شاہ جیؒ نے ایک مرتبہ اسلامی نظام کی خوبیوں پر تقریر فرمائی۔ اسلامی نظام کی خوبیاں بیان فرماتے ہوئے فرمایا:

"بعض لوگ معترض ہیں کہ آج کل اسلامی نظام فٹ نہیں بیٹھتا"۔ شاہ جیؒ نے بات سمجھانے کے لئے مثال دیتے ہوئے فرمایا کہ ایک ماہر درزی نے جسم کے اعضاء اور تناسب کا لحاظ رکھتے ہوئے قمیض تیار کی جو پہننے والے کو فٹ آگئی۔ بعد میں اسے تشنج ہوگیا۔ اعضاء کا تناسب جاتا رہا۔ ایک ہاتھ آگے کو لمبا ہو کر اکڑ گیا دوسرا پیٹھ کی طرف مڑ گیا۔ ایک ٹانگ ٹیڑھی اور دوسری چھوٹی ہوگئی۔ پیٹھ کبڑی اور چھاتی اندر کو گھس ہوگئی۔ ان

حالات میں وہ قمیض میں عیب ڈھونڈتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ فٹ نہیں۔ اور پھر درزی پر بھی اعتراض کرتا ہے کہ اُس نے قمیض صحیح نہیں بنائی۔ اب آپ ہی بتائیں کہ قمیض فٹ نہیں یا یہ منحوس اُن فٹ ہو گیا ہے۔ تمہارے منہ کا ذائقہ صفراوی بخار سے تلخ ہو چکا ہے۔ تم کو میٹھی چیز بھی کڑوی لگتی ہے۔ یہ دوا اور غذا کا قصور نہیں بلکہ تمہارے منہ کے ذائقہ کی خرابی ہے۔ انسان کو اپنی فطرت کے مطابق رہنا اور جینا چاہے تو اسلام سے بہتر کوئی نظام حکومت اور ہدایت نامہ نہیں ہو سکتا۔"

اسلامیہ کالج اور داڑھی:

ایک مرتبہ اسلامیہ کالج لاہور کے طلبہ نے کہا:

"شاہ جی! کالج میں داڑھی رکھ کر جانا مشکل ہے۔ فرمایا ہاں بھئی! اسلامیہ کالج میں مشکل ہے خالصہ کالج میں آسان ہے۔"

میرے دل نے غلطی نہیں کی:

ایک موقع پر فرمایا کہ:

"میں نے جو کچھ کیا اللہ اور اس کے رسول کے لیے کیا۔ مجھے ایک لحظہ کے لئے بھی اپنی کسی حرکت پر ندامت نہیں۔ میرا دماغ غلطی کر سکتا ہے لیکن میرے دل نے کبھی غلطی نہیں کی۔ مجھ سے زیادہ وفاداری کا ثبوت مانگنے والے پہلے اللہ اور اس کے رسولؐ کو وفاداری کا ثبوت دیں۔"

"میں ان لوگوں میں نہیں جو انسانی ضمیر کی سوداگری کرتے ہیں۔ میں اس شخص کو دھوپ چھاؤں کی اولاد سمجھتا ہوں جو قوم کو بیچتا پھرتا ہے۔ ملک سے غداری کرتا ہے اور جس ہنڈیا میں کھاتا ہے اسی میں چھید کرتا ہے۔ میں نے صرف ایک اللہ کے سامنے جھکنا سیکھا ہے۔ میں اُن لوگوں کا وارث نہیں جنہوں نے درباروں کی دہلیزیں چاٹی ہیں۔ میں اُن کا وارث ہوں جو شہادت کے رستے میں سروں کو ہتھیلی پر لئے پھرتے ہیں۔"

قول کا نہیں عمل کا آدمی:

ایک موقع گفتگو پر فرمایا:

"میں اُن لوگوں میں سے نہیں ہوں جو یہ صدا دیتے پھریں کہ میں توشۂ وفاداری لئے پھرتا ہوں۔ میری انگلی پکڑ کر اپنے ساتھ لے چلو اور جس مقتل میں چاہو مجھے ذبح کر دو۔ میں خوش ہوں۔

میری خوشی بے کراں ہے کہ اس ملک سے انگریز نکل گیا۔ میں دنیا کے کسی حصہ میں بھی سامراج کو دیکھ نہیں سکتا۔ میں اس کو قرآن اور اسلام کے خلاف سمجھتا ہوں۔"

"تم میری رائے کو خود فروشی کا نام دو۔ میری رائے ہار گئی۔ اس کہانی کو یہیں ختم کر دو اب پاکستان نے جب بھی پکارا۔ واللہ! باللہ! میں اس کے ذرہ ذرہ کی حفاظت کروں گا۔ مجھے یہ اتنا ہی عزیز ہے جتنا کوئی اور دعویٰ کر سکتا ہے۔ میں قول کا نہیں عمل کا آدمی ہوں۔ اس طرف کسی نے آنکھ اٹھائی تو وہ پھوڑ دی جائے گی۔ کسی نے ہاتھ اٹھایا تو وہ کاٹ دیا جائے گا۔ میں اس وطن اور عزت کے مقابلہ میں نہ اپنی جان عزیز سمجھتا ہوں اور نہ اولاد۔ میرا خون پہلے بھی تمہارا تھا اب بھی تمہارا ہے۔"

انگریز کی فطرت:

ایک موقع پر فرمایا کہ

"انگریز کی فطرت کا خمیر سانپ کے زہر سے اٹھایا گیا ہے اور اپنی غذا کے لئے اسے انسانی خون کی جو چاٹ پڑی ہوئی ہے بڑی مشکل سے چھوٹے گی"۔

ہندوؤں کا خدا:

شاہ جیؒ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ

"ہندو قوم مسلمانوں کا کیا مقابلہ کرے گی جس کا خدا (گائے) مسلمانوں کی غذا ہے"۔

قادیانیوں کو خطاب:

ایک دفعہ شاہ جیؒ نے قادیانیوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"اے قادیانیو! اگر نیا نبی بنائے بغیر تمہارا گزارا نہیں ہو سکتا اور اس کے بغیر تم جی نہیں سکتے تو ہمارے مسٹر جناح ہی کو نبی مان لو۔ اے مرد تو تھا۔ جس بات پر ڈٹا کوہ کی طرح ڈٹ گیا۔ آہوں کے بادل اٹھے، اشکوں کی گھٹا چھائی، خون کی ندیاں بہ گئیں۔ لاشوں کے انبار لگ گئے۔ مگر کوئی چیز مسٹر جناح کے عزم کو نہ ہلا سکی۔ اس نے تاریخ کے اوراق کو پلٹ دیا اور ملک کے جغرافیہ کو بدل کر رکھ دیا۔ ایسے تمہاری نبوت کو بھی لٹ پٹ کر جگہ مل جائے گی تو اسی کے قدموں میں۔ تمام عمر گزار دی مگر انگریزوں کی نوکری نہیں کی۔ حکومت سے خطاب

نہیں لیا۔ انگریزوں سے کوئی تمنا والبتہ نہیں کی۔ اور ایک تمہارا نبی ہے کہ حضور گورنمنٹ کے آگے عاجزانہ درخواستیں کرتے کرتے پچاس الماریاں سیاہ کر ڈالیں۔"

جماعت کا بت :

ایک مرتبہ شاہ جیؒ دفتر احرار، دہلی دروازہ، لاہور میں تشریف فرما تھے۔ کئی اور احباب بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ شاہ جیؒ کے سامنے اخبار آیا جس کی شہ سرخی تھی کہ "حکومت نے مجلس احرار پر پابندی لگا دی"۔ یہ سرخی پڑھ کر شاہ جیؒ فرمانے لگے۔

"لو یہ بھی ایک بت ٹوٹا"۔ پھر حاضرین کو مخاطب کر کے فرمانے لگے کہ جماعت کسی مقصد کو حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہوتی ہے پھر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ جماعت خود مقصد بن جاتی ہے۔ اس وقت جماعت، ایک بت کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے، کیونکہ پھر جائز و ناجائز طریق سے آدمی اس جماعت کا دفاع کرتا رہتا ہے اور بت کی تعریف یہ ہے کہ جو چیز آپ کو اللہ تک پہنچنے سے روکتی ہے وہ بت ہے۔

سیاسی بصیرت :

شاہ جیؒ ایک درویش طبع انسان تھے لیکن سیاست میں بھی انہیں ایک خاص بصیرت عطا ہوئی تھی اور وہ "قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید" کے مصداق تھے۔ آپ کی وہ تقریر جو انہوں نے ۲۶ اپریل ۱۹۴۶ء کو اردو پارک دہلی میں قریباً پانچ لاکھ کے اجتماع میں کی، ان کی سیاسی بصیرت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ آپ نے اپنے مخصوص انداز میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا،

> "اس وقت آئینی اور غیر آئینی دنیا میں یہ بحث چل رہی ہے کہ آیا ہندوستان میں ہندو اکثریت کو مسلم اقلیت سے جدا کر کے برصغیر کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے؟ قطع نظر اس کے کہ اس کا انجام کیا ہوگا مجھے پاکستان بن جانے کا اتنا ہی یقین ہے جتنا کہ اس بات پر کہ صبح کو سورج مشرق سے طلوع ہوگا۔ لیکن یہ وہ پاکستان نہیں بنے گا جو دس کروڑ مسلمانانِ ہند کے ذہنوں میں موجود ہے اور جس کے لئے آپ بڑے خلوص سے کوشاں ہیں۔ ان مخلص نوجوانوں کو کیا معلوم کہ کل ان کے ساتھ کیا ہونے والا ہے"۔
>
> "بات جھگڑے کی نہیں سمجھنے اور سمجھانے کی ہے لیکن تحریک کی قیادت کرنے والوں کے

قول وفعل میں بلا کا تضاد اور بنیادی فرق ہے۔ اگر مجھے کوئی اس بات کا یقین دلائے کہ کل کو ہندوستان کے کسی قصبہ کی گلی میں یا کسی شہر کے کسی کوچہ میں حکومتِ الٰہیہ کا قیام اور شریعتِ اسلامیہ کا نفاذ ہونے والا ہے تو ربّ کعبہ کی قسم! میں آج ہی اپنا سب کچھ چھوڑ کر آپ کا ساتھ دینے کے لئے تیار ہوں۔"

"لیکن یہ بات میری سمجھ سے بالاتر ہے کہ جو لوگ اپنی اڑھائی من کی لاش اور چھ فٹ کے قد پر اسلامی قوانین نافذ نہیں کر سکتے۔ جن کا اُٹھنا بیٹھنا، جن کا سونا، جن کا جاگنا، جن کی وضع قطع، جن کا رہن سہن، بول چال، زبان وتہذیب، کھانا پینا اور لباس وغیرہ غرض کہ کوئی چیز بھی اسلام کے مطابق نہ ہو وہ دس کروڑ کی انسانی آبادی کے ایک قطعۂ زمین پر اسلامی قوانین کس طرح نافذ کر سکتے ہیں؟ یہ ایک فریب ہے اور میں یہ فریب کھانے کے لئے تیار نہیں"۔ . . .

"ہندو اپنی مکاری اور عیاری سے پاکستان کو ہمیشہ تنگ کرتا رہے گا۔ اُسے کمزور بنانے کی ہر ممکن کوشش کرے گا۔ اس تقسیم کی بدولت آپ کے دریاؤں کا پانی روک لے گا۔ آپ کی معیشت تباہ کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ آپ کی یہ حالت ہوگی کہ بوقتِ ضرورت مشرقی پاکستان مغربی پاکستان کی اور مغربی پاکستان مشرقی پاکستان کی کوئی سی مدد کرنے سے قاصر ہوگا۔ اندرونی طور پر پاکستان میں چند خاندانوں کی حکومت ہوگی اور یہ خاندان زمینداروں، صنعت کاروں اور سرمایہ داروں کے خاندان ہوں گے۔ امیر دن بدن امیر تر ہوتا چلا جائے گا اور غریب غریب تر۔"

(روزنامہ الجمعیتہ دہلی، ۲۸ اپریل ۱۹۴۶ء بحوالہ کردار قائدِ اعظم مصنفہ منشی عبدالرحمٰن خان)

شاہ جیؒ کی یہ چند باتیں تھیں جو قارئین کی خدمت میں پیش کی گئیں ورنہ ان کی زبان کا ایک ایک بول ایک انمول موتی تھا۔ اور ایسا کیوں نہ ہوتا جس شخص نے ابوحنیفۂ وقت حضرت مفتی محمد حسن صاحب قدس سرہٗ خلیفۂ ارشد حکیم الامت تھانویؒ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا ہو اور شیخ العصر، خاتم المحدثین علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے چہرہ سے علم کشید کیا ہو اس کے منہ سے ایسی باتیں غیر متوقع بھی نہیں۔ کیا ہی اچھا ہو اگر شاہ جیؒ کے صاحبزادگان اور عقیدتمندان شاہ جی کی تقاریر اور ملفوظات کو زیورِ طباعت سے آراستہ کر کے اگلی نسل کو پہنچائیں تاکہ انہیں شاہ جی کی قدر معلوم ہو۔

از: حکیم محمود احمد ظفر۔ سیالکوٹ

قسط ۱

اسلام اور نبوّت

جس طرح اسلام میں خدا، آخرت، اعمال اور عذاب و ثواب کا تصور دوسرے مذاہب وادیان سے علیحدہ ہے، اسی طرح نبی اور اس کی نبوت کا تصور بھی دنیا کے دوسرے سب ادیان سے الگ اور جداگانہ ہے۔ کئی ادیان اور مذاہب تو سرے سے نبوّت ہی کا انکار کرتے ہیں۔ کئی نبوّت کو تو مانتے ہیں لیکن نبوّت میں خداتعالیٰ کے حلول و اتحاد اور قرابت و ولادت کے نظریہ کے قائل ہیں جو کہ خالق و مخلوق کی سرحدوں کو آپس میں ملا دیتا ہے۔ کئی مذاہب نبی کو خود خدا کا وجود تصور کرتے ہیں جو انسانی ہیکل میں عالم لاہوت سے عالم ناسوت میں خاص اغراض کے تحت جلوہ گر ہوتا ہے۔ کئی مذاہب نبوت کے متعلق کچھ ایسے نظریات رکھتے ہیں جن سے حق تعالیٰ اور نبی کے درمیان کسی نہ کسی طریقہ سے شراکت کی کچھ نہ کچھ پرچھائیاں نظر آتی ہیں۔ لیکن اسلام کا "تصوّرِ نبوّت" ان سب مذاہب وادیان سے جداگانہ اور بالاتر ہے۔ وہ نہ تو براہمہ کی طرح نبی کو حق تعالیٰ کا اوتار اور بروز تصور کرتا ہے اور نہ ہی عیسائیت کی طرح اس کو ایک عام انسان کی طرح گنہوں سے ملوّث گردانتا ہے بلکہ وہ خدا کو اپنے مقام پر اور نبی کو اپنے مقام پر رکھتا ہے۔ وہ یہ کہتا ہے کہ ؎

گر فرقِ مراتب نہ کنی زندیقی

وہ کبھی بھی نبی کو ایسے مقام پر نہیں لے جاتا جہاں عبدیت و معبودیت کی سرحدیں آپس میں ملتی ہوں اور عیسائیت کی طرح نبی اور خدا میں کسی قسم کا التباس واقع ہوتا ہو۔ جس سے پھر اس کی ایسی تاویلیں کرنی پڑیں کہ وہ مسئلہ عقلی اور فکری مسئلہ نہ رہے بلکہ ایمان کے بھیدوں میں سے ایک بھید بن جائے۔ عیسائیت کی تاریخ ہمارے سامنے ہے کہ پہلے تو انہوں نے جناب عیسٰی علیہ السلام میں الوہیت کی کچھ شئون وصفات دکھائیں اور پھر جب دنیا کے مفکروں

نے عقل وفکر اور علم وخرد کی کسوٹی پر ان کو پرکھنا شروع کیا تو ایمان کا بھید کہہ کر راہِ فرار تلاش کی گئی۔ چنانچہ عقیدہ اتھانیسس (ATHANASIS) میں جو کہ عیسائی عقائد میں سے ایک بنیادی عقیدہ ہے، صاف اور غیر مبہم الفاظ میں مرقوم ہے۔

"خدا میں تین شخص ہیں۔ باپ، بیٹا، روح القدس۔ خدا اس پاک تثلیث کا پہلا شخص جو بیٹے اور روح القدس کا شروع ہے۔ یہ تینوں شخص آپس میں بالکل برابر ہیں۔ ان میں کچھ فرق نہیں۔ اس لئے تینوں یکساں الٰہی عزت کے لائق ہیں۔ یسوع مسیح سچا خدا اور سچا آدمی بھی ہے۔ اور مقدسہ مریم سچ مچ خدا کی ماں بنی۔ باپ خاص کر قادرِ مطلق اس لئے نہیں کہلاتا کہ وہ زیادہ قدرت والا ہے بلکہ اس لئے کہ پاک نوشتوں میں قدرت باپ کی، دانائی بیٹے کی اور پاکیزگی روح القدس کی کہلاتی ہے۔"

(مسیحی تعلیم، باب پاک تثلیث ص ۱۹-۲۷، لاہور)

اس عقل وخرد اور فطرت کے خلاف بات کو جب مفکرین نے فکر ونظر کے ترازو میں تولنا شروع کیا تو ان کے اعتراضات سے بچنے کے لئے اور مسیحی بھیڑوں کو اپنے سے جدا ہونے سے بچانے کے لئے یہ کہہ دیا۔

"ہم اس بات کو ٹھیک نہیں سمجھ سکتے کیوں کہ ایمان کا یہ ایک بھید ہے۔"

(حوالہ مذکور ص ۲)

جیسا کہ کہا گیا ہے کہ اسلام کا تصورِ نبوت ان تمام تصورات سے جدا ہے جو دوسرے مذاہب وادیان نے پیش کئے ہیں۔ وہ کہیں بھی خالق ومخلوق کو ذات وصفات کے لحاظ سے ملنے نہیں دیتا بلکہ ہر ایک کو اس کا اپنا مقام عطا کرتا ہے۔ چنانچہ حکیم الامت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔

الوجدان الصریح یحکم	وجدان صریح اس بات کا اقرار
بان العبد عبد وان ترقی	کرتا ہے کہ بندہ بندہ ہی ہے خواہ
والرب رب وان تنزل	وہ کتنا ہی ارتقائی منازل طے کیوں

وان العبد قط لا یتصف بالوجوب او بالصفات اللازمہ للوجوب۔ (تفہیمات الٰہیہ جلد ۱ ص ۱۸۴)

نہ کرے اور رب رب ہی ہے خواہ وہ اپنے بندے کے کتنا ہی قریب کیوں نہ آجائے۔ اور بندہ کبھی بھی درجۂ وجوب یا ان صفات کو جو ذات واجب کے لئے لازم ہیں حاصل نہیں کرسکتا۔

نبوت کے متعلق اسلام کے تصور کو ویسے تو امام ابوالحسن الاشعریؒ، قاضی ابوبکر الباقلانیؒ علامہ ابن حزم اندلسیؒ، ابواسحاق اسفرائینیؒ، علامہ عبدالکریم الشہرستانیؒ، امام غزالیؒ، امام فخرالدین رازیؒ، علامہ سیف الدین آمدیؒ، علامہ ابن خلدونؒ، شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ وغیرہم متکلمین اور محققین نے اپنی اپنی کتابوں میں تفصیل سے بیان کیا ہے لیکن متقدمین میں امام غزالیؒ نے "المنقذ من الضلال" اور "معارج القدس" میں اور متاخرین میں حکیم الامت شاہ ولی اللہ نے "حجۃ اللہ البالغہ" میں اور حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے اپنی مختلف کتابوں میں نہایت تحقیقی اور علمی پیرایہ میں اس مسئلہ کو بیان فرمایا ہے بلکہ حضرت شاہ صاحبؒ اور حجۃ الاسلام مولانا نانوتویؒ نے سینکڑوں برس کی تحقیقات کا عطر اور نچوڑ اپنی کتابوں کے چند اوراق کے سینہ میں بند کر کے رکھ دیا ہے۔

نبی کی تعریف:

نبوت کے دوسرے پہلوؤں پر گفتگو کرنے سے قبل نبی کی تعریف بیان کردینا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے تاکہ اصل مسئلہ صحیح طور پر ذہن نشین ہوسکے۔

"نبی" کا لفظ مشتق ہے "نَبَأٌ" سے جس کے معنی ہیں خبر۔ لیکن لغتِ عرب میں ہر خبر "نبأ" نہیں کہلاتی بلکہ "نبأ" اس خبر کو کہتے ہیں جس میں تین چیزیں ہوں۔

۱۔ خبر فائدے کی ہو۔

۲۔ فائدہ بھی معمولی نہیں بلکہ عظیم الشان ہو۔

۳۔ اور اس خبر کے سننے والے کو اطمینانِ قلب اور یقینِ کامل حاصل ہو۔

چنانچہ علامہ راغب اصفہانیؒ "نبأ" کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اَلنَّبَاءُ خَبَرٌ ذُو فَائِدَۃٍ	نبأ اس خبر کو کہتے ہیں جو بڑے
عظیمۃ یَحصُلُ بِہٖ عِلمٌ	فائدے والی ہو اور اس سے علم
اَوْ غلبۃُ ظن وَلَا یُقَالُ	یقین یا ایسا علم جس پر یقین غالب
لِلْخَبَرِ فِی الاصل نَبَأٌ	ہو، حاصل ہو اور کسی خبر کو اس
حَتّٰی یتضمن ھذہ الاشیاء	وقت تک نبأ "نہیں کہتے جب
الثَّلَاثَۃَ	تک ان میں یہ تینوں چیزیں نہ ہوں۔

اس معنی کی رد سے نبی کی تعریف یہ ہوئی کہ نبی وہ انسان ہے جو حق تعالیٰ کے بندوں کو حق تعالیٰ کی جانب سے نفع اور فائدے کی ایسی عظیم الشان خبریں سنائے جن تک ان کی نارسا عقلیں پہنچنے سے قاصر ہوں۔ گویا کہ "نبأ" اس خبر کو کہتے ہیں جس میں تین باتیں پائی جائیں۔

۱۔ خبر فائدہ مند ہو

۲۔ خبر اہم اور عظیم ہو

۳۔ خبر ایسی ہو کہ اس کے سننے سے اول تو یقین حاصل ہو وگرنہ کم از کم غلبۂ ظن حاصل ہو۔

"نبأ" پر مزید تفصیلی بحث کرتے ہوئے علامہ اصفہانی مزید لکھتے ہیں:

النبوۃ سفارۃ بین اللہ وبین	نبوت اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں
ذوی العقول من عبادہ لا	کے درمیان سفارت کو کہتے ہیں جس
زاحۃ علتھم فی امر معادہ	سے ان کی دنیا اور آخرت کی
ومعاشھم والنبی لکونہ مُنَبِّاءٌ	بیماریاں دور ہوتی ہیں اور نبی چونکہ
بما تسکن الیہ العقول الذکیۃ	ایسی باتوں سے آگاہ کرتا ہے جس
وھو یصح ان یکون فعیلاً بمعنی فاعل	سے عقل سلیم کو تسکین ہوتی ہے، اس
وان یکون بمعنی المفعول	وجہ سے یہ فاعل اور مفعول دونوں
(المفردات ص ۴۹۹)	کے معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔

علامہ جوہری اور فسراء دونوں کی رائے یہ ہے کہ یہ لفظ "نبأ" سے ماخوذ ہے اور اس کے معنی ہیں حق تعالیٰ کی طرف سے خبر دینے والا۔ لیکن ابن المنظور صاحب لسان العرب نے لکھا ہے کہ "نبی" کے ماخذ اشتقاق کے بارہ میں علمائے لغت کے تین اقوال ہیں۔

۱۔ یہ نبأ سے مشتق ہے۔

۲۔ یہ نَبوۃٌ سے مشتق ہے۔

۳۔ یہ نَبَاوَۃٌ سے مشتق ہے۔

اگر اس کو نبأ سے مشتق مانا جائے تو نبیٌ بروزن فَعِیل "بمعنی مُفعِل" مُخْبِرٌ ہوگا یعنی حق تعالیٰ کی طرف سے خبر دینے والا

بعض اہلِ لغت کا خیال ہے کہ نبی نَبأ سے مشتق نہیں بلکہ "نَبوۃٌ" اور "نَباوَۃٌ" سے مشتق ہے۔ "نَبوۃٌ" کے معنی بلند ہونا اور "نَباوَۃٌ" اس زمین کو کہتے ہیں جو دوسری زمینوں سے اونچی ہو۔ اس مأخذ کی رُو سے "نبی" کا معنی ہے بلند مقام پر کھڑا ہونے والا۔ گویا کہ "نبی" اُس بلند مقام پر ہوتا ہے جہاں سے اُسے عالم الغیب والشہادۃ دونوں کا مشاہدہ کرادیا جاتا ہے۔ وہ ایک طرف وحی کے ذریعہ کائنات کے بنیادی حقائق کا مشاہدہ کرتا ہے اور دوسری طرف اُن حقائق کو دُنیا تے محسوسات تک پہنچاتا اور انہیں انسانوں کی تمدنی زندگی پر منطبق کرتا ہے۔ شاید یہی وجہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اعلانِ نبوت فرمایا تو کوہِ صفا کی چوٹی پر پوری قوم بلکہ سب انسانوں سے اونچا کھڑے ہوکر نبوت کا اعلان فرمایا جس میں یہ بتانا بھی مقصود تھا کہ نبی علم اور مرتبے کے لحاظ سے تمام انسانوں سے اونچا اور بلند ہوتا ہے پھر اپنی بلند مقامی کا اظہار اس بات سے بھی کیا جب اپنی قوم کے افراد سے آپ نے فرمایا کہ "اگر میں یہ کہوں کہ پہاڑ کی دوسری جانب دشمن کا ایک لشکر جرار اس پہاڑ کے عقب سے تم پر حملہ کرنے والا ہے تو کیا تم میری بات کی تصدیق کروگے"؟ انہوں نے کہا "ضرور کریں گے" مطلب یہ تھا کہ آپ ایک ایسے مقام پر کھڑے ہیں جہاں سے آپ وہ کچھ دیکھ سکتے ہیں جو ہم دامنِ کوہ میں کھڑے ہو کر نہیں دیکھ سکتے۔

پیغمبر کا پہاڑ کی چوٹی پر کھڑے ہونا اور پہاڑ کی دوسری جانب کی خبر کی تصدیق کروانا جہاں اپنی نبوت کا اعلان کرنا تھا وہاں "نبی" کے معنی بتلانا بھی تھا کہ نبی ایک ایسے بلند مقام پر کھڑا ہوتا ہے

- نفاذِ اسلام انتخابات سے نہیں انقلاب کے ذریعہ ممکن ہے۔
- دینی اتحاد وقت کا سب سے اہم تقاضیٰ ہے۔
- ایم آر ڈی لادین سیاست دانوں کی آماجگاہ ہے۔
- مجلسِ احرارِ اسلام عام انتخابات میں براہِ راست حصّہ نہیں لے گی۔
- لادین سیاست دانوں کی ڈٹ کر مخالفت کی جائے گی۔

سید عطاء المحسن بخاری

مجلسِ احرارِ اسلام پاکستان کی مرکزی مجلس شوریٰ کے اجلاس کی مکمل رپورٹ

مرتب: سید محمد کفیل بخاری

عالمی مجلسِ احرارِ اسلام پاکستان کی مرکزی مجلس شوریٰ کا اجلاس حضرت مولانا عبدالحق چوہان مدظلہٗ کی صدارت میں دارِ بنی ہاشم ملتان میں منعقد ہوا۔ جس میں جماعت کے مرکزی ناظمِ اعلیٰ ابنِ امیرِ شریعت سید عطاء المحسن بخاری مدظلہٗ کے علاوہ مولانا محمد اسحٰق سلیمی، سید عطاء المؤمن بخاری، مولانا اللہ یار ارشد، جناب عبداللطیف خالد چیمہ، سید محمد ارشد بخاری، مولانا عبدالقادر ڈاہر، مرزا عبدالقیوم بیگ، غلام حسین، بدرِ منیر احرار، ظفر اقبال فاروقی صاحب، محمد طاہر لدھیانوی اور عبدالسلام ربّانی کے علاوہ دیگر اراکین نے شرکت کی۔ مجلس شوریٰ کے اراکین نے ملک کی موجودہ سیاسی صورتِ حال، عام انتخابات اور جماعت کے تنظیمی مسائل پر بحث و تمحیص کے بعد متعدد فیصلے کئے اور قراردادیں منظور کیں۔

مرکزی ناظمِ اعلیٰ سید عطاء المحسن بخاری مدظلہٗ نے فیصلوں کا اعلان کرتے ہوئے کہا کہ ملک اس وقت نازک ترین صورتِ حال سے دوچار ہے، داخلی انتشار، سیاسی بحران، مذہبی طبقاتی تقسیم، لسانی، علاقائی اور گروہی تعصبات عروج پر ہیں، تمام لادین قوتیں ایم آر ڈی میں پناہ گزین ہیں۔ اگر یہ قوتیں برسرِ اقتدار آگئیں تو نفاذِ اسلام کا عمل جاری رہنا تو درکنار بلکہ وہ اقدامات جو نفاذِ اسلام کے لئے جنرل محمد ضیاء الحق شہید کے دَور میں اُٹھائے گئے تھے ملیامیٹ کر دیئے جائیں گے۔ ایم آر ڈی کے سیاست دان شکست خوردہ اور جھوٹے ہیں۔ انہوں نے ۱۹۷۷ء میں بھٹو کو اقتدار سے علیحدہ کرنے کے لئے "نظامِ مصطفیٰؐ" کے نام پر تحریک چلائی اور قوم کے بے گناہ بچوں اور جوانوں کو اپنی ہوسِ اقتدار کے مرگھٹ پر قربان کیا۔ پھر ضیاء الحق شہید کی حکومت میں لیلائے وزارت اٹھکیلیاں کرتے رہے اور اقتدار کے جھولے جھولتے

ہے، پھر انتہائی ڈھٹائی اور بے شرمی سے حقائق و تاریخ کو جھٹلاتے ہوئے کہا کہ "ہم نے تحریک دھاندلیوں کے خلاف چلائی تھی نظامِ مصطفیٰ کے لئے نہیں"۔ اب پھر بحالیٔ جمہوریت کے نام پر دھوکے بازوں کا ٹولہ سرگرمِ عمل ہے۔ پرانے شکاری نئے جال پھینک رہے ہیں لیکن عوام خبردار و ہشیار ہیں۔ انہوں نے کہا کہ خدا و رسول اور صحابہ کے دشمن تمام لادین قوتیں ایم آر ڈی میں جمع ہیں جو اسلام کے نام پر حاصل کئے گئے ملک میں اسلامی اقدار، تہذیب و ثقافت اور شعائر کو مٹانا چاہتے ہیں۔ ضیاء الحق شہید کی المناک موت ایک اتفاقی حادثہ نہیں بلکہ بہت گہری اور خوفناک سازش ہے۔ زندگی اور موت کا قانون سب کے لئے یکساں ہے مگر بعض سیاست والوں اور ان کی جماعتوں کے کارکنوں نے ضیاء الحق کی موت پر تعزیت کی بجائے خوشی کا اظہار کیا اور یہ رویہ ہر لحاظ سے شرمناک ہے۔

ضیاء الحق کا دور سابقہ تمام حکمرانوں سے بہتر تھا ان کے دورِ حکومت میں علماء کی داڑھیاں نہیں نوچی گئیں، پگڑیاں نہیں اچھالیں، بے عزت نہیں کیا گیا اور سیاسی و مذہبی کارکنوں کو ننگا نہیں کیا گیا، مخالفین کی ماؤں، بہنوں، بہوؤں اور بیٹیوں کو تھانے میں بلا کر بے حرمتی نہیں کی گئی۔ ضیاء الحق کے مرنے کے بعد اس کی جیب سے قرآنِ کریم نکلا وہ اُن حکمرانوں اور سیاست دانوں سے بہتر تھے جن کے "اثاثۂ حیات" میں شراب کی بوتلیں تھیں اور جن کے دورِ حکومت میں زنا، بدمعاشی، فحاشی و عریانی اور ناریؔ کو فروغ و تحفظ دیا گیا۔ ضیاء الحق سے ہزار سیاسی اختلافات کے باوجود اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ وہ ایک شریف النفس، اولوالعزم، محبِ وطن اور بہادر حکمران تھے۔ ان کی شہادت کے بعد ملک کی زمامِ اقتدار سنبھالنے والے موجودہ حکمرانوں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ نفاذِ اسلام کے سلسلہ میں ضیاء الحق شہید کے جاری کئے گئے آرڈیننسوں کی مدت ختم ہونے سے پہلے پہلے انہیں مکمل آئینی و عملی تحفظ فراہم کیا جائے، بالخصوص امتناعِ قادیانیت آرڈیننس تحفظِ مقامِ صحابہ آرڈیننس، شریعتِ محمدیہ کی تمام قوانین پر فوقیت و بالادستی اور نفاذ کے آرڈیننس کو دو ٹوک الفاظ میں تحفظ کا یقین دلا کر مسلمانانِ پاکستان اور پوری ملتِ اسلامیہ کو اعتماد میں لیا جائے تاکہ دنیا بھر میں پاکستان کا جو اسلامی تشخص نمایاں ہوا ہے اُسے نقصان نہ پہنچے۔

مجلسِ احرارِ اسلام موجودہ حالات میں دینی جماعتوں کے متحدہ محاذ کی تشکیل کو اہمیت دیتی ہے۔ دینی اتحاد وقت کا اہم ترین تقاضا ہے۔ پاکستان کے علماء اگر مستقبل کی تباہ کاریوں کا حالات و قرائن سے اندازہ کر سکتے ہیں تو وہ یقیناً اسی نتیجہ پر پہنچیں گے۔ اگر دینی قوتیں متحد ہو جائیں تو نفاذِ اسلام

کے عمل کو انقلابی جدوجہد سے ہم کنار کر کے یقینی کامیابی حاصل کی جا سکتی ہے۔ ورنہ پاکستان میں دینی اداروں اور دینی جماعتوں کا مستقبل انتہائی بھیانک اور خطرناک ہے۔ مجلس احرار اسلام کے رہنماؤں نے اس سلسلہ میں علماء سے ملاقاتوں کا سلسلہ شروع کر دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ جو سیاست دان "حدود اللہ" کو وحشیانہ سزاؤں کا نام دے رہے ہیں وہ دین دشمن ہیں اور ملک کے خیر خواہ نہیں۔ موجودہ نظام ریاست و سیاست فرنگی کا عطیہ ہے اس کے ذریعہ نفاذ اسلام کا نعرہ لگانے والے اسلام کی روح سے ہی ناواقف ہیں وہ جھوٹے خواب دیکھ رہے ہیں اور خود اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں انہیں کم از کم سابقہ چالیس سالہ تجربہ سے عبرت حاصل کرنی چاہیئے اور اپنا وزن لادین قوتوں کے پلڑے میں ڈالنے کی بجائے دین کے پلڑے میں ڈالنا چاہیئے۔ سیرت طیبہ اور عمل صحابہ اس بات پر شہادت کے لئے کافی ہے کہ حکومت الٰہیہ کا قیام صرف اور صرف انقلاب سے ممکن ہے۔ اسلام کے نفاذ کا ایک ہی اصول ہے "فَکُّ کُلِّ نِظَام" تمام مروجہ نظاموں کا خاتمہ کر کے اللہ کی حاکمیت قائم کی جائے۔

سید عطاء المحسن بخاری مدظلہٗ نے مجلس احرار اسلام کی پالیسی بیان کرتے ہوئے کہا کہ جماعت آئندہ عام انتخابات میں براہِ راست حصہ نہیں لے گی اور نہ ہی کسی لادین سیاسی جماعت سے تعاون کرے گی۔ البتہ اگر دینی جماعتوں کے متحدہ محاذ کے قیام کی کوششیں بار آور ہوئیں تو محاذ کے متفقہ اُمیدوار علماء اور دینی کارکنوں کی حمایت کی جائے گی۔

ایم آر ڈی اور دیگر لادین جماعتوں کے امیدواروں کے خلاف ہر ممکن طریقہ سے جدوجہد کی جائے گی۔ ان امیدواروں سے بھی تعاون کیا جائے گا جو جماعت کی جاری کردہ شرائط پر حلف دیں گے اور درج ذیل پانچ نکات کے تحفظ کا حلفیہ یقین دلائیں گے۔

۱۔ تحفظ قرآن و سنت ۲۔ نفاذ فقہ حنفیہ
۳۔ تحفظ امتناع قادیانیت آرڈی ننس ۴۔ تحفظ مقام صحابہ آرڈی ننس
۵۔ تحفظ نفاذ شریعت آرڈی ننس

اجلاس میں چند قراردادیں منظور کی گئیں جن کا متن درج ذیل ہے۔

۱۔ ساہیوال میں مجلس احرار کے دو کارکنوں کو شہید کرنے والے مرزائی مجرموں کو فوجی عدالت سے دی جانے والی سزائے موت پر فوری عملدرآمد کیا جائے۔

۲۔ سکھر کی جامع مسجد میں بم مار کر دو نمازیوں کو شہید کرنے والے مرزائی مجرموں کی سزاؤں پر عملدرآمد کیا جائے۔

۳۔ فوجی عدالتوں کے فیصلوں پر نظرثانی کرتے وقت ایسے اہم مقدمات کو نظرانداز کرنے کی صورت میں حکومت کے خلاف تحریک چلائی جائے گی۔

۴۔ مرزا طاہر نے لندن میں اپنی حالیہ تقاریر میں اس بات کا اعلان کیا ہے کہ وہ ربوہ میں مرزائیت کا "صد سالہ جشن" منائیں گے۔ اس جشن پر فوری پابندی عائد کی جائے اور مرزائیوں کا محاسبہ کیا جائے۔

۵۔ ایک تعزیتی قرارداد کے ذریعہ ممتاز عالم دین حضرت مولانا عبدالحق (اکوڑہ خٹک) کی وفات پر شدید غم کا اظہار کیا گیا اور اسے دینی کارکنوں کے لئے ناقابلِ تلافی نقصان قرار دیا گیا۔ اسی طرح صدر مملکت جنرل محمد ضیاء الحق کی حادثاتی اور اچانک موت پر غم کا اظہار کیا گیا۔ قرارداد میں کہا گیا کہ ان کی موت سے ملک کو شدید نقصان پہنچا ہے۔ مجلسِ احرارِ اسلام کے رہنما حافظ محمد اکبر صاحب کے والد صاحب اور چودھری گلزار احمد صاحب کی خوشدامن صاحبہ کے انتقال پر بھی اظہارِ افسوس کیا گیا اور تمام مرحومین کے لئے دعائے مغفرت اور پسماندگان کے لئے صبر کی دعا کی گئی۔

حرفِ آخر

مَنِ ارْتَدَّ فَاقْتُلُوْهُ

جو مُرتد ہو جائے اُسے قتل کردو!

ارشادِ رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم

مُطالبہ

مُرتد کی شرعی سزا نافذ کرو (تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوت پاکستان)

آئیے۔ اللہ کی رضا اور اجر حاصل کیجئے!

ہمارے دینی ادارے اور مستقبل کے منصوبے

مسلمان توجہ فرمائیں

★ — **مجلس احرارِ اسلام** دینی انقلاب کی داعی ہے۔ دینی انقلاب — دینی مزاج اور دینی ماحول پیدا کیے بغیر ممکن نہیں۔ ۱۹۲۹ء سے آج تک احرار نے بیسیوں تحریکوں کو جنم دیا اور پروان چڑھایا۔ احرار کی سب سے بڑی، مضبوط اور زندہ تحریک **تحریکِ ختمِ نبوّت** ہے۔

★ — پاکستان سے پہلے اور پاکستان کے بعد احرار نے سینکڑوں دینی ادارے قائم کیے جن سے اُمّتِ مُسلمہ میں دینی مزاج عام اور دینی قوتوں میں اضافہ ہوا۔ اکابرِ احرار نے ایک بات شدّت سے محسوس کی کہ جب تک دینی ادارے بنیادی طور پر احرار کی نگرانی میں نہیں چلتے اُس وقت تک یکجہتی پیدا ہونا مشکل امر ہے۔ لہٰذا ہم نے اُمّتِ مسلمہ کے تعاون سے اندرون و بیرونِ مُلک دینی ادارے قائم کئے ہوئے ہیں جن کی مختصر تفصیل یُوں ہے:

★ **مدرسہ معمورہ** — مسجدِ نور، تغلق روڈ ملتان

★ **مدرسہ معمورہ** — دارِ بنی ہاشم، پولیس لائنز روڈ ملتان

★ **مدرسہ محمودیہ معمورہ** — ناگڑیاں ضلع گجرات

★ **جامعہ ختمِ نبوّت** — مسجد احرار متّصل ڈگری کالج ربوہ - فون نمبر: ۸۸۶

★ **مدرسہ ختمِ نبوّت** — سرگودھا روڈ ربوہ

★ **دارالعلوم ختمِ نبوّت** — چیچہ وطنی - فون نمبر: ۲۹۵۳

★ **مدرسہ ابو بکر صدّیق** — تلہ گنگ ضلع چکوال

★ **یُوکے ختمِ نبوّت مشن** — (ہیڈ آفس) گلاسگو، برطانیہ

یہ ادارے سرگرمِ عمل ہیں۔ ان کے اخراجات اور آئندہ کے منصوبے، مسجد احرار ملتان، مدرسہ معمورہ کے بڑھتے ہوئے کام کے پیشِ نظر زمین کی خرید اور تعمیرِ نو، دفاتر کا قیام، بیرونی ممالک میں مُبلّغین کی تعیناتی اور اداروں کا قیام، پچاس کتابوں کی اشاعت — یہ تمام کام اُمّتِ رسول علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے تعاون سے ہوگا۔ یہ کام آپ ہی نے کرنا ہے۔

تعاون آپ کریں دُعاء ہم کرینگے اور اجر اللہ پاک دینگے — آئیے، آگے بڑھیے اور اجر کمائیے

فقیر سیّد عطاء المحسن بخاری

مُدیر مدارس التحفیظ و المساجد

دارِ بنی ہاشم ○ پولیس لائنز روڈ ○ ملتان

ترسیلِ زر کے لئے: اکاؤنٹ نمبر: ۲۹۹۳۲ حبیب بنک لمیٹڈ حسین آگاہی ملتان